

جاسوسی دنیا نمبر 93

صلوات جو پڑھے

(پہلا حصہ)

## دیو کا غسل

سارہ شدت سے بور ہو رہی تھی۔ لیکن کیا کرتی۔ کہاں جاتی۔ ملازمتی شہری۔ اسی بوریت کا ماہنہ معاوضہ ساز ہے چار سور و پیوں کی شکل میں ملتا تھا۔۔۔ اور پھر کسی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہونا ویسے بھی نہیں کھیل نہیں۔

نوبے دن سے چھ بجے شام تک کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ صبح سات بجے گھر سے نکل کر بس پر بیٹھتی۔ بس اُسے ایکلی بچ تک آتی۔ پھر ایکلی بچ سے ایک لانچ جریدہ سونار تک پہنچاتی۔ یہ ج پرہ ایکلی بچ کے ساتھ سے بارہ میل دور واقع تھا۔

بہر حال سونار تک پہنچتے پہنچتے نوع جاتے تھے..... اُس کا باس قلندر ریابانی اسی جریے میں رہتا تھا۔ اس کے جاسوسی ناول اردو میں خاصی شہرت رکھتے تھے۔ سکشن بلیک سیریز کے انگریزی ناولوں کو کرتا پاچاہمہ پہنچا کر پیش کر دینے میں بہ طولی رکھتا تھا۔ پہلے پہل تو سراغ رسائی کے نام سکشن بلیک کو بھی اردو انے کی کوشش کر دی تھی۔ لیکن اسے چونی والی پلک نے سخت ناپسند کیا تھا اور پڑھ کر آدمیوں نے بھی ناک بھوں سکوڑی تھی۔ وہ انگریزی میں تو سکشن بلیک پسند کرتے تھے لیکن بھلا اردو میں ”کلوپر دیر“ کیونکر برداشت کر لیتے ..... بہر حال اسے سراغ رسائی کا نام کلوپر دیر کی بجائے پھر پکھ اور تجویز کرتا پڑا تھا۔

ہر ماہ دو چار ناول پیش کر دینا اُس کے باعث میں ہاتھ کا کام تھا۔ سونار میں ایک خوبصورت سے بیٹگل کا مالک تھا۔ مستقل طور پر وہیں رہتا بھی تھا۔ ..... شہر میں آبائی جانیدہ اور کئی مکانات کی

Scanned by iqbalmt  
شکل میں موجود تھی جس سے اپنی حاضر ماہنے امدادی ہو جاتی تھی اور پھر اُس کے پیشہ بھی اُسے مناسب معاوضہ دیتے تھے۔

بہر حال چین سے بسر ہوتی تھی۔ عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رعنی ہو کی۔ غیر شادی شدہ تھا۔ بنگلے میں دل ملازم دن رات رہتے تھے۔ ان میں سے ایک باورچی تھا اور دسر اور ایک سارہ چبے شام کو وہاں سے شہر کے لئے روانہ ہو جاتی تھی۔

اُس کا خیال تھا کہ قلندر بیابانی عکلی اور بھکی ہے۔ کسی عورت نے اُسے بھی پند عنایت کیا ہو گا۔ پھر شادی کیسے ہوتی؟

ناول کا مسودہ لکھتے لکھتے اُس کا ہاتھ دکھ جاتا اور وہ دل میں دعائیں کرتی اے اللہ اُس کی شادی کرا دے اس سے بھی زیادہ کسی عکلی عورت سے۔ تاکہ بھول جائے "عمل عمل"  
کی لکار۔ کیونکہ ذرا اُسے ست دیکھتا اور دھڑے شعر پڑھ دیتا۔

یہاں کو تاہی ذوق عمل ہے خود گرفتاری  
چہاں بازو سنتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے  
بس لکھ جاؤ۔ جس دن ایک ناول ختم ہوتا اُسی دن دوسرا شروع کرا دیتا۔ لیکن یہ محض آج تک اُس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اپنے ناول مائکرو فون پر کیوں ڈکھیت کر اتا ہے اور وہ دوسرے کمرے اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتا۔ وہیں سے مائیک پر ڈکھیت کر اتا ہے اور وہ دوسرے کمرے میں تھا بیٹھ کر لکھتی رہتی۔

اگر اسے جاؤ سی ناولوں سے دلچسپی ہوتی اور اس نے اگریزی کے جاؤ سی ناول پڑھے ہوتے تو اندازہ کر لیتی کہ وہ سکشن بلیک سیریز کے ناول ہاتھ میں لے کر نہایت اطمینان سے اردو میں پڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ تو اُسے چینیں سمجھتی تھی اور کمرے میں بند ہو کر ناول ڈکھیت کر ازے کو اس کی "سلک" پر نگول کرتی تھی۔

ویسے بھی ہر چیز کو پیدا کئی طور پر یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ خود کو عکلی پوز کرے۔ بلکہ اگر پاگل ہو کر کتوں کی طرح بھونکنا بھی شروع کر دے تو پیک کو چاہئے کہ اُس کے پیچے ٹیپ۔  
ریکارڈ لے کر دوڑ پڑے تاکہ اُس کی "بھوؤ بھوؤ" سے آنکھہ نسلیں بھی نہ صرف محفوظ  
ہو سکیں بلکہ اس کے سلسلے میں ریتھ کر کے ڈاکٹریٹ بھی لے سکیں۔

دوپھر کا کھانا قلندر بیابانی ہی کے ساتھ کھانا پڑتا تھا۔ اس وقت وہ بھی بوریت برداشت کر رہی تھی۔ اُن کے ساتھ ایک بیلی بھی تھی، جو رہ رہ کر "میاں میاں" کرنے لگتی۔  
قلندر کبھی بھی گوشت کا ایک آدھہ نکلا اُس کے لئے ذات رہتا۔ بیلی نری طرح بیتاب تھی۔ اُسے موجودہ کرنے کے لئے اُس کے زانو پر اگلے پنجے رکھ کر کھڑی ہونے کی کوشش کرتی.....! "میاں میاں" تو جادی ہی تھی۔ قلندر کے چہرے پر بھجن اور بیزاری کے آثار تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے بیلی کی یہ حرکت اُس کی بھجن بلاہست میں بتدریج اضافہ کرتی چلی جا رہی ہو۔ یک بیک وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بیلی کی گردن پکڑی اور اُسے میز پر بٹھاتا ہوا دہڑا..... "لے کھا..... حرام زادی..... میاں میاں..... کھا.....!"

اُس نے اُس کی گردن ایک پلیٹ میں رگڑی..... وہ نری طرح پھل ریڑی کی پلیٹ اچھل کر ادھر اور دھر جا پڑیں۔

سارہ بھی کری کھسکا کر اٹھ گئی! قلندر کا غصہ تیز ہو گیا تھا۔ وہ بیلی کی گردن رگڑے جا رہا تھا..... بیلی کے طق سے مختلف قسم کی آوازیں نکلی رہیں..... بالآخر اُس نے اپنے ہاتھ کو جھکھا دیا..... بیلی دیوار سے نکلا کر فرش پر آگئی۔ لیکن اٹھ کر بھاگنے کی بجائے وہ ایک ہی جگہ پڑپڑی ترپتی اور ذرالمال آوازیں نکالتی رہی۔

قلندر بیابانی وہاں سے جا چکا تھا۔

سارہ وہیں دم بخود کھڑی دم توڑتی ہوئی بیلی کو دیکھتی رہی۔ اُسے قلندر کی اس حرکت پر جیسے تھی..... وہ بیلی تو اُس کی اتنی چیتی تھی کہ اکثر دونوں ایک ہی برتن میں کھاتے دیکھے گئے تھے..... پھر آج اتنی ذرا سی بات پر کہ وہ اُس کے زانو پر پنجے بلک کر اُس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانا چاہتی تھی اس حد تک برافروختہ ہوتا کہ جان ہی سے مدد دینے کی سی کر گذرنا کیا معنی رکھتا تھا۔

بیلی کی آخری چیخ بڑی دلگداز تھی..... اُس کا جسم کھنختا چلا گیا تھا اور پھر یک بیک ذھلی ہو کر سکڑ گئی تھی۔

ٹھیک اُسی وقت قلندر نے مائکرو فون پر باورچی کو پکارنا شروع کیا۔ "ریاض ابے اور ریاضو..... حرامزادے سن..... اگر اب کوئی بلا اس گھر میں دکھائی دیا

اُس کے گرد دوسرے چھوڑے بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے سونار کاہر ساحل پر سکون تھا۔..... بے شمار بابی کشتیاں آس پاس تیرتی نظر آئیں۔..... بوگنگ کے شوقین ملکی اور غیر ملکی لوگوں کی بھیز رہتی۔..... تیرا اکی کے لئے بھی اس کے ساحل مناسب تھے۔ اس لئے بیدنگ ہیوٹر کے دلدادہ بھی شہر سے کھپنے پلے آتے تھے۔

لیکن آج تو جرے کے کچھ باشندے بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ حالانکہ ان کے لئے ان میں نہ کوئی نئی بات رہی تھی اور نہ کوئی خاص دلچسپی۔.....

وہ تو دراصل اُس دیوزاد کو دیکھ رہے تھے جس نے سرخ رنگ کا زندگ سوئنگ ڈریس پہن رکھا تھا۔ بتیرے تو بھی سوچ رہے تھے کہ آخر اس سائز کا سوئنگ ڈریس مہیا کیسے ہوا ہو گا۔ اور وہ دیوزاد ایسا ہی خوش نظر آرہا تھا جیسے کوئی مجع باز عطا لی حکیم حسب دخواہ مجع لگانے میں کامیاب ہو جانے پر سرور اور چاق و چوبند کھالی دینے لگتا ہے۔

ایک سیاہ فام لڑکی بھی اُس کے ساتھ اور اپنے ہی جیسے رنگ والے سوئنگ ڈریس میں تھی اس نے یہ پتہ لگانا محال تھا کہ وہ خود کہاں ہے اور سوئنگ ڈریس کہاں لیا جاتا ہے۔ ساحل سے نظارہ کرنے والوں میں دو ایسے آدمی بھی تھے، جو انہیں تفریخا نہیں دیکھ

البھے تھے۔

پستہ قد نے لبے آدمی سے پوچھا۔ ”یہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آگودی۔“

”پتہ نہیں کون ہے۔“ لبے آدمی نے اگلے دانتوں میں خال کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ دیر پہلے دونوں گرین میں ملے تھے۔ لیکن دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ ملاقات دو اجنبیوں ہی کی ہی تھی۔“

”پھر.....!“

”میں نے لڑکی کی طرف دعاہی ہی نہیں دیا تھا۔..... ورنہ دیکھتا کہ اجنبیت بے تکلفی میں کیسے تبدیل ہو گئی تھی۔“

”اب یہ کم بخت باہر نکلے گا۔..... نکلے گا بھی یا نہیں۔.....!“ پستہ قد آدمی کے لجھے میں جلاہٹ تھی۔

”مجھے تو کوئی پیشہ ور معلوم ہوتی ہے۔..... لیکن وہ مردوں کیا گھٹیا نہیں رکھتا ہے۔“

تو تیری پیڑی او ہیز دوں گا۔..... سنتا ہے یا نہیں۔ بندوق سنہال اگر اب وہ چستکبر اولاد کھائی دے تو فوراً گولی مار دیکھو۔..... ورنہ تیری خیر نہیں!“

ریاضو بھی ڈرائلگ روم میں پہنچ گیا تھا۔..... اور جیس سے کبھی مردہ ملی کو دیکھتا تھا اور

کبھی ادھر ادھر بکھری ہوئی پلیشوں کو۔

آخر اُس نے سارہ سے پوچھا۔..... ”یہ کیا ہوا مس صاحب؟“

”صاحب نے اسے مارڈا۔.....!“ سارہ خلک ہونٹوں پر زبان پھییر کر بولی۔

”کیوں مارڈا۔.....؟“ ریاضو کے لجھے میں پہلے سے بھی زیادہ تھیں تھا۔

”میں نہیں جانتی۔“ سارہ نے چھپھلا کر کہا اور کمرے سے نکل آئی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کسی قدر آرام کی مہلت دیئے بغیر قلندر ڈکٹیٹ کراٹا شروع کر دیتا تھا۔ وہ اُس کی خواب گاہ سے ملختہ کمرے میں آکر بیٹھ گئی۔ میں میز پر ایک چھوٹا سا پیکر رکھا رہتا تھا، جس سے قلندر کی آواز آتی رہتی اور اُس کا قلم تیزی سے سفے پر صفحہ سیاہ کرتا چلا جاتا۔

دفعتاً پیکر سے آواز آئی ”سارہ۔..... تم جا سکتی ہو۔..... آج میں کام نہیں کروں گا۔“

آواز بھرا ہوئی تھی۔..... اُسے یقین تھا کہ اُس نے ایک آدھ سکی بھی سنی تھی۔

سارہ نے طویل سانس لی اور اٹھ گئی۔

لیکن ابھی وہ گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ گھر ہی پر کون سا سکھ نصیب تھا چڑا۔..... غصہ ور اور ناکارہ باپ۔..... نصف در جن مچھوٹے بھائی بہن جن کے شور و غل سے کافوں کے پر دبے پھٹنے لگتے تھے۔..... موقق اور جلدی تباہ جو اپنی ان ”حماقوں“ کو دن رات کو سی رہتی تھی۔



”اُن ساتوں جزوؤں میں سونار آبادی اور ربیعے کے لحاظ سے کتنی سے بڑا تھا۔“

کریک ہے۔"

"ارے..... یہ لو..... ارے..... لڑکی کو کاندھے پر بٹھالیا۔"

پست قد آدمی ہنٹے لگا لبے نے کہا۔ "آف فوہ..... وہ اترنے کی کوشش کر رہی ہے..... لیکن چھوڑتا ہی نہیں..... اب اور دیکھو..... کندے کی طرف آ رہا ہے۔"

"دیکھو..... لیکا کرتا ہے۔"

"یار یہ کیا مصیبت ہے.....!" لمبا آدمی جھنجلا کر بولا۔ "کہیں کھیل بگڑی نہ جائے۔ وہ دیکھو۔ بھری پولیس کے دو سایی ان کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔"

بھری پولیس کے دو سایی چلتے برک گئے تھے..... دیوزاد لڑکی کو کاندھے پر بٹھائے کنارے پر پہنچ چکا تھا۔

لڑکی تیجے اتر جانے کے لئے خاموش جدو ججد کر رہی تھی۔ لیکن دیوزاد کی گرفت مضبوط تھی۔ لڑکی کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے آثار تھے۔ کبھی ایسا لگتا چیزے اب روپڑے گی۔

"کیوں صاحب..... یہ کیا چاہر کھا ہے۔" بھری پولیس کے ایک چاہی نے دیوزاد کو مخاطب کیا۔ لیکن وہ اُسے جواب دیے بغیر ایک طرف چلا رہا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ کچھ دور اُس کے پیچے بھی چلتے لیکن پھر کچھ سچ کر دوسرا سمت مڑ گئے۔

پست قد آدمی بڑا لیا۔ "اب کہاں جا رہا ہے؟"

"چلو دیکھیں.....!" لبے آدمی نے کہا۔

وہ کافی فاصلے سے دیوزاد کا تعاقب کرتے رہے۔

"اتارو مجھے.....!" لڑکی منمارہی تھی۔ ورنہ میں اب تمہارا منہ نوچنا شروع کر دوں گی۔"

"کیا تمہیں اچھا تھیں لگا.....!" دیوزاد نے پوچھا۔

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔"

"میں سوار سیت ایریل سوڑنا نیک سر سے اوپنی اخالیتاءوں ..... مسہری کا ایک پا یا پکڑ کر زیوی سیت..... اغ..... اغ..... غوب..... غوب..... بکری سیت..... اور اخالیتاءوں۔"

"مجھے اتارو.....!" وہ اُس کے بال مٹھیوں میں بھیج پہنچ کر چینی۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا

جیسے اُس پر ہماری قسم کا کوئی درود پڑ جائے گا۔

"میں تمہیں گرین تک یونہی لے چلوں گا۔" دیوزاد ہنس کر بولا۔ "وہاں پہنچ کر تھمہر نے پیسے دے دیتا۔"

گرین جریہ سوادر کا سب سے اوپنچا ہو ٹھیں تھا۔ زیادہ تر غیر ملکی سیاح یہاں قیام کرتے تھے۔ شہر کے دولت مندوگ بھی سوادر آتے تو گرین میں خبر تھے۔

"اب میں چینا شروع کر دوں گی اور تم جیل چلے جاؤ گے۔" ..... سمجھے۔"

"اوہ سن رہے ہو۔" لمبا آدمی مختصر بانہ انداز میں بولا۔ اب ان کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا اور وہ ساری گفتگو بخوبی سن سکتے تھے۔

"یار یہ چکری اپنی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"چلو ٹھیک بھی ہے۔" لبے آدمی نے طویل سافس لے کر کہا۔ "اگر کچھ شروع ہی ہو جائے تو اچھا ہے ہمیں کچھ کر گذرنے کا موقع مل جائے گا۔ ویسے ہو بلکہ ہے کہ دشواری چیز آئے۔ پہاڑی شہرا.....!"

اتھے میں لڑکی نے تیجے چینا شروع کر دیا اور دیوزاد "انگے انگے" کر تارہ گیا۔ اب دور سے تماشہ دیکھنے والے ان کی طرف دوڑ پڑے تھے۔

"آؤ.....!" لبے آدمی نے پست قد کا لاتھ پکڑ کر اسی جانب کھینچتے ہوئے کہا۔

دیوزاد نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو جھلا کر بولا۔ "اب تو نہیں اتاروں غا..... دیکھتا ہوں کوئی سالا کیا قریتا ہے۔"

لڑکی نہ صرف اُس کے بال نوچ رہی تھی بلکہ کھوڑی پر گھونسوں اور تھپڑوں کے ذو گفرے بھی برساتی چارہ تھی۔

آن کے گرد بھیڑ اکٹھا ہو گئی تھی۔ لیکن بھری پولیس کے سپاہی کی دوسرے طرف جانکھے تھے۔ لوگوں نے لڑکی کو اُس کے کاندھے نے اتارنے کی کوشش شروع کر دی۔

کسی نے کمر پر دو تین گھونے بھی جڑ دیئے۔ بس پھر کیا تھا۔ دیوزاد آگ ہو گیا۔ لڑکی کو چھوڑ کر بجع پر گھونے بر سانے لگا۔ لڑکی مچھلی کی طرح تریا اور دھرام سے رہت پر آ رہی۔

استدعا پر حمید کو اس کی علاش پر کمر بستہ ہونا ہی پڑا۔  
کمشدگی کی اطلاع تو بذریعہ پولیس ملی تھی اور اسی اطلاع کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ تمہارے  
قائم کا قیام سونار کے گرین ہوٹل میں تھا۔ وہاں قیام کرنے والی ایک نوجوان لیڈی ڈاکٹر مس  
لیلیاڈ نیشنل نے اس کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔  
رپورٹ کے مطابق ڈاکٹر لیلیا اور قائم کے درمیان اسی دن رکی سی جان پیچان ہوئی  
تھی اور دونوں نہانے گئے تھے۔ قاسم نے نہانتے نہانتے یک بیک یعنی اٹھا کر کاندھ پر بھالیا تھا۔  
”یوں کیا باوجہ.....؟“ حمید نے پوچھا۔  
ڈاکٹر لیلیا فوری طور پر جواب دیتے ہوئے بھکالی۔ ”Hamid مستفسر ان نظروں سے اسے  
دیکھ رہا تھا۔“

”مجھے سوچنے دیجئے۔“ وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ” غالباً اس نے اپنی قوت کے متعلق کچھ کہا  
تھا۔ میں نہ دی تھی، مقصود یہ تھا کہ وہ جھوٹا ہے۔ مگر شامد وہ بیک، سمجھا اور یک بیک مجھے ادا  
کر کاندھ پر بھالیا۔“  
”پھر کیا ہوا.....؟“  
”لوگ ہمارے گرد اکٹھا ہو گئے۔ اُن نے وہ کالم گلوچ کر کرتابہ پر باقاعدہ جھکڑا ہوا  
رہا تھا۔ میں گر پڑی تھی۔ پھر مجھے کچھ بیاد نہیں۔“  
”آپ بیووش ہو گئی تھیں۔“

”سر تو پہلے سے چکرا رہا تھا۔ رعنی کسی کسر بگرنے سے پوری ہو گئی تھی۔ بھی ہلکے  
بیووشی تھی کہتا چاہے۔“

”آپ ان لوگوں میں سے کسی کو پہچانتی تھیں، جو اس وقت وہاں موجود تھے۔“  
”وہ کسی سوچ میں پڑ گئی کچھ دیر بعد بولی۔ ”جی ہاں! مجھے یاد پڑتا ہے ایک جانی پیچانی نی  
صورت نظر آئی تھی۔ اُس لڑکی کو میں نے اکثر قلندر بیابانی کے ساتھ دیکھا ہے۔ شامد اس کی  
لیکر بیڑی ہے۔“  
”قلندر بیابانی.....؟“ حمید ذہن پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”وہ تو نہیں جو جاسوسی تاول  
لکھتا ہے۔“

دیوزاد پر چاروں طرف سے گھونٹے پڑ رہے تھے اور وہ بھی گہہ کر ہاتھ مار رہا تھا۔  
جس پر بھی اس کا گھونٹہ پڑتا تھوڑی دیر تک سوچتا رہ جاتا کہ اٹھ کر دوبارہ ہملہ کرے یاد م  
سادھے پڑا ہی رہے۔

اب تک کلی پٹ پچھے تھے۔  
دفعاً لے آدمی نے غلاماً شروع کیا۔ ”بہت جاؤ..... الگ بہت جاؤ..... پولیس.....؟“  
وہ بھیز میں گھس رہا تھا۔ پستہ قد آدمی اس کے پیچھے تھا۔ دیوزاد کے قریب پیچ کر اس  
نے ایک حرکتیں شروع کیں، جیسے اسے لوگوں کے ہملوں سے بچانا چاہتا ہو۔  
”خہبریے..... خہبریے.....؟“ وہ جیخ جیخ کر کہتا رہا۔ ”قانون کو ہاتھ میں نہ لے جئے۔  
میں اسے پولیس اسٹینشن لے جاؤں گا..... میرے ہاتھ بٹائے۔“

پھر اس نے دیوزاد کا ہاتھ پکڑا، اور ایک جانب چلنے لگا۔ پستہ قد آدمی دوسروں سے  
کر جدار آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”کوئی ہمارے پیچھے نہ آئے سمجھے۔ چلے جاؤ۔“  
ریت کے تدوے کی دوسری جانب ایک بڑی سی لانچ لٹکر انداز تھی۔ اس کے قریب  
پیچ کر لے آدمی نے دیوزاد سے کہا۔ ”میرا شکریہ ادا کرو کہ تمہیں بچالایا۔۔۔ لیکن پولیس  
سے میرا تعلق نہیں۔۔۔ مجھے دوست ہی سمجھو اور چپ چاپ لانچ میں پیٹھ جاؤ۔۔۔ ورنہ یہ  
ہنگامہ بڑھ بھی سکتا ہے۔“

## دیو کی کمشدگی

کیشین حید تمن دن سے سر گردیاں تھا۔ چونکہ اس سے پہلے بھی قاسم خود اس کے ساتھ  
اپنے گھر والوں کے لئے لاپتہ رہا تھا اس لئے اس بار بھی جب وہ اچاک لاتپتہ ہو گیا تو سب  
سے پہلے کر عل فریدی کی کوٹھی عی میں اس کے متعلق پوچھ کچھ کی گئی اور پھر قاسم کی بیوی کی

"جی ہاں..... وی.....!"

"کیا وہ نہیں رہتا ہے؟"

"جی ہاں..... جیرے کی اہم شخصیتوں میں سے ہے۔ بیت الحکیم یہاں کی مشہور

عمارت ہے کسی سے بھی پوچھیں راستہ بتائے گا۔"

قلندر نیا بانی کا ہام اُس نے ساختا۔ لیکن اُس کی کوئی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

بیت الحکیم تک بھی جا پہنچا۔۔۔ قلندر نے ذرا انگر روم میں اُس کا استقبال کیا تھا۔

"میں جاتا تھا۔" اُس نے گرم جوشی سے مصافی کرتے ہوئے کہا۔ "ایک نہ ایک دن

یہاں کی پولیس کو بالآخر میری طرف متوجہ ہوتی ہی پڑے گا۔۔۔ بالکل اُسی طرح جیسے امریکہ

کے نامی گرامی و کلام ارل شینٹے گارڈز سے مشورے لینا اپنے لئے بہت بڑا فتح رکھتے ہیں۔"

حید صرف مکرا کر رہا گیا، کیونکہ قلندر پہلی ہی نظر میں اُسے جھلی اور سکی معلوم ہوا تھا۔

"کیا آپ کی سکریٹری سے ملاقات ہو سکے گی؟" پچھہ دیر بعد اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....؟" قلندر اُسے گھورتا ہوا غریباً

"ایک کیس کی تفتیش کے سلسلے میں اُن سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"کیا وہ خود کسی کیس میں الجھ گئی ہے۔"

"نہیں جائے واردات پر موجود تھیں۔"

۱ "صرف وی۔"

"جی نہیں اور بھی تھے۔ لیکن ایک گواہ صرف انہیں پہچان سکا تھا۔"

"واقعہ کیا تھا....؟"

"اگر وہ موجود ہوں تو....؟"

"ٹھہریے...." قلندر اٹھتا ہوا بولا اور اندر چلا گیا۔

حید پاپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ذرا انگر روم کی ہر چیز نیلی تھی۔ نیلی دیواریں نیلے پردے

صوفوں پر نیلے غلاف تھے۔ میزوں پر نیلے میز پوش۔۔۔ گلدانوں میں نیلے کانڈی پھول۔

پھر پاپ کے نیلگوں دھوکیں نے عجیب سی خضابیدا کر دی۔

جسکے دربعد قلندر واپس آیا۔ اُس کے ساتھ سکریٹری بھی تھی۔ حید نے طویل سانس

لے۔ خاصی دلکش لڑکی تھی۔

"کیپٹن حید فرام اٹھی جس بیوریو۔" قلندر نے تعارف کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ سارہ عبد الغفور ہیں۔"

"تکلیف وی کی محافل پاہتا ہوں محترمہ....! حید اپنا تھا ہوا بولا۔"

"تشریف رکھئے.... تشریف رکھئے۔" قلندر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "یہ بیت الحکیم ہے۔ یہاں غیر ضروری باتوں میں وقت نہیں برپا کیا جاتا۔"

"خیر.... خیر.... رسمی باتوں کے بغیر یہ اصل موضوع پر گفتگو شروع کر دینا سوچ پوچھ دالوں کا خاصہ ہے۔۔۔ ہمیں تو بہر حال نیاز منڈ رہنا پڑتا ہے۔ ہاں تو محترمہ آج سے چار دن پہلے کے ایک وقوع کے متعلق آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"فرمائیے....! بڑی مترنم آواز تھی۔ حید نے محوس کیا جسے ذرا انگر روم کے نئے تاریک ماحول میں مو سیقی کے کونے سے لپکے ہوں۔"

"آپ کو یاد ہو گا۔۔۔ ایک دیونما آدمی اور کسی لیڈی ڈاکٹر کا قصہ تھا۔"

"اوہ.... وہ....! شوخی مکراہست کے ساتھ واقفیت کا انظہار کیا گیا۔" قلندر احقارانہ انداز میں بھی حید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی سارہ کی طرف!

"جی ہاں۔" حید سر ہلا کر بولا۔ "وہ دیوڑا غائب ہے۔ لیڈی ڈاکٹر تو بیہوں ہو گئی

تھی۔۔۔ اُسے پڑھنے کے اُس نامعقول آدمی پر کیا گذری۔"

"ہمیں کیا قصہ تھا۔" قلندر نے سارہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اسکی کوئی خاص بات نہیں تھی کہ آپ سے تذکرہ کرتی۔"

"کیا کہا! کوئی خاص بات نہیں تھی۔ وہ بیہوں ہو گئی تھی اور تم وہاں موجود تھیں۔۔۔ کوئی دیونما آدمی.... ہاں میں۔"

"آپ سمجھے نہیں۔" حید مکراہیا اور پھر اُس نے اُسے بتایا کہ واقعہ کیا تھا۔

"لا جوں والا قوتہ....! وہ نہ اسامنہ بنائے کر بڑا لیا۔"

"اُسے تو پولیس لے گئی تھی۔" سارہ نے کہا۔

"آپ کی موجودگی میں ہی۔"

چل پڑی۔ قلندر بھی تراپے ہوئے بلے کو دیں چھوڑ کر برآمدے کی طرف بڑھا آرہا تھا۔  
”تفیش ختم ہو گئی ہو تو اب تشریف لے جائیے۔“ اُس نے حمید کے قریب پہنچ کر کہا۔  
”میں ناوقت چائے کے لئے نہیں پوچھتا۔ صبح یا شام کو آنے والوں ہی کو چائے آفر کر سکتا ہوں۔“

”ہو سکتا ہے کہ تفیش کے اختتام تک شام ہی ہو جائے۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔  
”کیا مطلب...!“

”ابھی مجھے کچھ اور بھی پوچھنا ہے۔“

”برلو کرم جلدی سمجھے! مجھے کام بھی کرتا ہے بیت الحکیم میں تضییع و قات کی گنجائش نہیں۔“  
حمدید پھر ڈر انگ روم میں آیا۔ سارہ وہیں بیٹھی تھی۔

”پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہے۔“ قلندر غریباً۔

”محترمہ تھوڑا وقت اور لوں گا۔“

”فرمائیے؟“

”کچھ تماشا لی ان کے پیچے بھی گئے ہوں گے۔“  
”میں نہیں! ان دونوں کو سادہ لباس والوں نے ختنی سے منع کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا  
کہ اگر کوئی پیچھے آیا تو اُس کی خاصی سرمت کی جائے گی۔“

”کیا آپ ان دونوں کے طبقہ جا سکتیں گے۔“

”حلئے۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”حلئے وضاحت کے ساتھ نہ بیان۔ اُن سکون گی۔ البتہ  
ان دونوں کے درمیان مفصلہ خیز قسم کا تصادم تھا۔۔۔ ایک بہت لمبا تھا اور دوسرا پست تھا۔۔۔!“

”لیکن وہ گئے کس طرح تھے۔“

”شاید اُس ساحل کی طرف جہاں یاٹ کلب کی باؤ بانی کشتیاں رہتی ہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”میں ہاں۔۔۔ لیکن وہ درودی میں نہیں تھے۔ سادہ لباس میں بھی تو ہوتے ہیں پولیس  
اسٹینتوں پر۔“

”میں ہاں ہوتے ہیں لیکن وہ بیہاں کے پولیس اسٹینشن تک نہیں پہنچا تھا۔ اُس کی کوئی  
رپورٹ پولیس اسٹینشن پر نہیں ہے۔“

”ست میں رشوٹ لے کر چھوڑ دیا ہو گا۔“

”ملکن ہے! لیکن اُس کے بعد اسے گھر تو پہنچانا چاہئے تھا۔“

وہندہ قلندر بیابانی جو کھڑکی کے قریب کھڑا پائیں باغ میں دیکھے زہا تھا، چھل کر اندر  
بھاگا۔۔۔ اور حمید مستفر۔۔۔ انداز میں سارہ کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن اُس نے لا علی کے  
اظہار میں شانوں کو جنتش دی۔

پھر وہ دوڑتا ہوا اندر سے آیا اور باہر نکل گیا۔ اُس کے ہاتھوں میں دو نالی بندوق تھی۔

”کیا قصہ ہے؟“ حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

”خدا جانے۔“ سارہ نے خنک لہجے میں کہا۔

”آپ اس پر تحریر بھی نہیں معلوم ہوتیں۔“

”میرے لئے کوئی نئی بات نہیں! دن بھر ایسے ہی حیرت انگیز واقعات سے دوچار ہوتا  
پڑتا ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ وہ جاسوسی تاولوں کے مصنف ہیں۔“

”لیا ایسے ہوتے ہیں جاسوسی تاولوں کے مصنف....!“

”پڑتے نہیں! میں نے بھی پہلا عدی دیکھا ہے۔“

اچانک باہر سے فائز کی آواز آئی اور ساتھ ہی ”وہ مارا“ قسم کا کوئی فربہ بھی سنائی دیا۔

وہ دونوں بھی اب برآمدے میں پہنچ چکے تھے۔ حمید نے تھوڑی بھی فاصلے پر ایک بڑے

سلے کو تراپے دیکھا۔ قلندر اُس کے قریب کھڑا نہیں فاتحانہ انداز میں داد طلب نظر وہ  
سے دیکھ رہا تھا۔

”آخر کار۔۔۔!“ سارہ ٹھنڈی سائنس لے کر بڑھا۔۔۔ یہ آرزو بھی پوری ہوئی گئی۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”خی معاملات ہیں۔۔۔!“ وہ اُس کی طرف مڑ کر مسکرا گئی اور ڈر انگ روم کی طرف



اُس کی دہڑھی سن کر کسی نے باہر سے دروازہ کھولا تھا۔  
ایک بوڑھی عورت کرے میں داخل ہوئی۔

قاسم چد لئے اُسے گھورتے رہنے کے بعد غریلہ۔ ”میں قہاں ہوں؟“  
”آپ سیہیں ہیں سرکار.....!“ اُس نے بڑے ادب سے جواب دیا۔  
”یہ کہاں ہے۔“  
”یہ سیہیں ہے سرکار.....!“  
”مارے تو سیہیں کا قویٰ نام بھی ہے۔“  
”جنت سرکار.....!“

”ہائی.....!“ قاسم خوفزدہ انداز میں اچھل پڑا اور بوكھلاتی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر تھوک نگل کر بولا۔ ”تو کیا میں..... مم..... مر گیا ہوں۔“  
”نہیں سرکار..... ایسی کوئی بات نہیں۔ اس عمارت کا نام جنت ہے۔ آپ بالکل زندہ ہیں۔“  
”چلو شجھ ہے۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”میں تو ذرگیا تھا کہ اب کھانا دانا نہیں ملے گا۔“  
”ضرور ملے گا سرکار..... کھانا تیار ہے۔“  
”مارے تو کھلواؤنا..... الاق تم بھوک کے مارے جان نقل رعنی ہے۔“

”میرے ساتھ آئیے۔“  
قاسم اُس کے پیچے چل رہا تھا۔ کئی رہداریوں سے گذرنے کے بعد وہ ایک بڑے کرے میں آئے جہاں کئی بڑی بڑی کھانے کی میزیں تھیں لیکن..... لیکن وہاں کوئی تیرا آدمی نہ دکھائی دیا۔

ایک میز پر اتنا کھانا نظر آیا جو کہ از کم دس آدمیوں کے لئے کافی ہوتا۔  
”صحیح ہے.....!“ قاسم نے خوش ہو کر تقرہ لگایا۔  
بوڑھی عورت نے اُس کے پیچے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

قاسم نے بھاڑ سامنے پھیلا کر جماہی لی۔ دیر سے جاگ رہا تھا۔ البتہ ذہن نیم غنوہ سی کیفیت میں ذوب ہوا تھا۔ پھر دھنٹا سے اپنے اُس ملازم پر غصہ آگیا ہے۔ بہت دیر پہلے اُس کے لئے بیدھی لانی چاہئے تھی۔ دو چار گالیوں کے ساتھ اُس نے آوازیں دیں..... ہر صدائے بہنگام کے ساتھ اُس کا ذہن بھی کسی قدر صاف ہوتا گیا۔

”ہائی.....!“ اُس کی آنکھیں پھیل گئیں..... اور وہ اٹھ بیٹھا۔ پاروں طرف نظر دوڑائی..... اور ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر یاد داشت پر زور دینے لگا۔ اُن دونوں نے اُسے جھگڑا کرنے والوں سے بچایا تھا۔ اپنے ساتھ ایک لائچ سک لائے تھے۔ لائچ میں اُسے چائے پالائی تھی..... اور وہ سو گیا تھا..... تو کیا پھر اب جاگا ہے۔ چائے پینے کا کوئی واقعہ اُسے یاد نہ آ رکا..... پہلے اُن دونوں نے خود کو پولیس والا ظاہر کیا تھا پھر کہا تھا وہ تو محض لوگوں کو مزعوب کرنے کے لئے جھوٹ بولے تھے؟ پھر وہ کون تھے..... اور اُسے کہاں لائے ہیں..... ان تو یہ گرین والا کمرہ ہے اور نہ اُس کی اپنی خواب گاہ حوالات بھی تو نہیں ہو سکتی، بھلا حوالات کی میز پر گلدان کہاں؟

”ہائی.....!“ وہ منہ پھیلا کر رہ گیا۔ اس بار اُسے بستر چھوڑ دینا پڑا سامنے ایک قد آدم تصویر نظر آئی۔ کسی فرانسیسی مصور کا نسوانی جسمانی مشاہدہ تھا۔ وہ جھپٹ کر اُس تصویر کے قریب آیا اور ہر ہر زاویے سے اُسے دیکھا رہا۔ پھر یہک منہ دبا کر ہنسنے لگا۔

”بڑی عمرہ حوالات ہے۔“ تھوڑی دیر بعد بڑا بڑا اور فرش پر اکڑوں بیٹھ گیا۔  
کمرہ خاصاً طویل و عریض تھا..... اور بہت سلیقے سے سجا گیا تھا۔ ویسے وہاں اُس مسہری کا اضافہ نیا ہی معلوم ہوتا تھا۔

قاسم تصویر کے قریب بینجا کھانتا کھکھاتا تارہ میں بیسے عی خیال آیا کہ پہنچنیں اُس نے کب سے کھانائے کھایا ہو، ساری محیت رو چکر ہو گئی۔

”ہائے.....!“ وہ کراہ۔ کچھ دیر بعد اس طرح دہڑا جیسے خود پر غصہ آگیا ہو۔ پھر غالباً

## نئی ولدیت

بیٹھا نظر آیا تھا۔

وہ دل کو سمجھانے لگی۔ یہ بھی اتفاق ہی ہو گا کہ اسے بھی اس بس سے سفر کرتا ہے۔ ایک گھنٹہ بعد بس شہر میں داخل ہوئی تھی۔ ... بس اسٹاپ سے اُس کے مکان کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ ... اس لئے وہاں سے پیدل ہی راستہ طے کرنا پڑتا تھا۔ وہ پہلی پڑی۔ ... ایک بارہ مز کر دیکھا۔ ... وہ اُس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ بے ساختہ یہی دل چاہا کہ دوڑنا شروع کر دے۔ تو وہ بچھا اُس کا غائب ہی کر رہا ہے۔ ... کیوں؟ کون ہے؟ کیا جا ہتا ہے؟ گھر کے دروازے پر رک کر ایک بارہ پھر مزی اور اُسے سامنے والی پان کی دوکان پر

کھڑا آیا۔

اندر بیٹھ کر اُس کرے میں آئی جس کی کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ پاؤں میں درہ کر کے باہر جھانکا وہ دوکان کے سامنے کھڑا۔ ... اُس کے دروازے کی طرف دیکھنے جا رہا تھا۔ پھر اُسے دوسروں کے خیال سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ آتا پڑا تھا۔ لیکن اس وقت تک وہ وہیں کھڑا نظر آیا تھا۔

وفقاً سارہ کو حکمہ سراغ رسانی کا وہ آپسرا یاد آیا جس نے اُس بھگڑے کے متعلق اُس سے پوچھ گئی تھی۔

کیا یہ وحشی بھی حکمہ سراغ رسانی کا کوئی آدمی ہو سکتا ہے۔ اُس نے سوچا لیکن کیوں۔ اول تو اُس کا اُس بھگڑے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر وہ ایک تماشائی کی حیثیت بھی رکھتی تھی تو کیا یہ ایسا ہی جرم تھا کہ خیر پولیس اُس کی گرفتی شروع کر دے۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ پھر کسی بہانے سے اُس کرے میں گئی تھی۔ کھڑکی سے جھانکا تھا۔ لیکن اب وہ آدمی وہاں نہیں تھا۔

چھ بجے والی لانچ ایگل بچ کے لئے تیار تھی۔ آج سارہ دیر نے پہنچی۔ قلندر نے تو پار ہی بجے چھٹی دے دی تھی۔ لیکن وہ ایک کتاب میں لیکی کھو گئی تھی کہ وقت کا احساس، تین نہ رہا۔ قلندر دوہی بجے کہیں چلا گیا تھا اور اس سے کہہ گیا تھا کہ وہ چاہے تو چار بجے جا سکتی ہے۔ کتاب نے خاصاً وقت لے لیا۔ اُس کے اختتام تک چھ بجے میں میں منت باتی رہ گئے۔ پھر وہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مشرقی ساحل تک پہنچی تھی۔

لانچ میں بیٹھتے وقت اُس نے ایک آدمی کو اپنی طرف گھوڑتے دیکھا۔ ... یوں تو گھوڑنے والوں سے دن بھر ہی سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ ... لیکن یہ آدمی۔ ... وہ کانپ کر رہا گئی۔ قدم لڑکھڑا نے لگے اور وہ بدقت اپنی سیٹ تک پہنچی۔

وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا اور رخ بھی اُسی کی طرف تھا۔ ذرا دناتا چہرہ تھا۔ ذرا ٹھی اور موچھیں اتنی گھنی تھیں کہ دہانہ ان میں غائب ہو کر رہ گیا تھا۔ پہنچی پہنچی سی دشت زدہ سرخ آنکھیں لیکن لباس سے غیر مہذب یا ناشائستہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بار بار اُس سے نظر ملتی اور سارا جسم جھنجھنا کر رہ جاتا تھا۔ بھجن میں بھی پڑ جاتی کہ آخر اس آدمی کو پہلے کہاں اور کب دیکھا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا ہیسے یہ شکل پر چھائیں کی صورت میں ذہن کے کسی گوشے میں پہلے سے موجود رہی ہو۔

ایگل بچ بیٹھ کر وہ اُسے اپنے ذہن سے دھکیلنے کی کوشش کرتی ہوئی بس اسٹاپ کی طرف روانہ ہو گئی۔

مز کر پیچھے دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ ارے تو کیا وہ اُس کے پیچھے آئے گا صرف اُسے ہی تو نہیں گھوڑ رہا تھا۔ سمجھی کو پہنچی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

بس میں بیٹھتے وقت اتفاقاً داہمنی جانب نظر اٹھی تھی اور پورا جسم شل ہو کر رہ گیا تھا۔ کیونکہ وہ مردانہ حصے کے دروازے والے فٹ بورڈ پر کھڑا کھائی دیا تھا۔

کسی نہ کسی طرح زندہ سیٹ پر جا پہنچی تھی اور جالیوں سے مردانہ حصے میں جھانکا تھا۔ وہ

بیت الحکیم کی کپاڈنڈا کا چھانک بند ملا۔ اس نے کال مل کا بٹن دبایا اور چھانک کھلانے کا خطر رہا۔.... دونج رہے تھے..... کئی منٹ لگ ر گئے لیکن چھانک نہ کھلا..... وہ دوسری بار گھنٹی کا بٹن دبائے جادہ تھا کہ کسی نے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا..... وہ پوک کر مرا..... قلندر بیباہی کی پھرے ہوئے گوریلے کے سے انداز میں اُسے گھور رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا؟

”شکر آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔“

”ئے پہچانا ہوتا تو تم اپنے بیرون پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہ گئے ہوتے۔“

”اوہ..... تو اس گھنٹی کا بٹن دبایا اسکی عیّری بات ہے؟“

”میں..... میں کسی سے ملا جانا پسند نہیں کرتا۔“

”میں آنکھ راف لیجے نہیں آیا۔“ حمید کا لہجہ زبریا تھا۔

”میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کیوں آئے ہو۔ بس کہیں کسی جوان عورت کی بوسنگھ پاؤ۔۔۔ کرکٹ فریدی سے تمہاری شکایت کروں گا مجھے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ لاکی ہے..... عورت نہیں۔“

”میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔“

”آپ میرے فرائض کی انجام دعی میں مداخلت کر رہے ہیں۔“ حمید کا لہجہ کسی قدر سخت تھا۔

”تو پھر.....؟“ قلندر آنکھیں نکال کر بولا۔

”میں اُسے بذریعہ وارثت کی تھانے میں طلب کر کے بیان لے سکتا ہوں۔“

”کرے نہیں کہتاں صاحب۔ بڑی چکنی لوٹایا ہے۔“ قلندر نے زبری لے لجھ میں کہا۔

”تمیز سے گفتگو کرو.....“ حمید کو بھی غصہ آیا۔

”جھک ملتے رہو۔“ قلندر نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی اور چھانک کی ذیلی کو بھی کھول کر کپاڈنڈا میں داخل ہو گیا۔

”اچھی بات ہے۔“ حمید نے بلند آواز میں کہا۔ ”میں ابھی تم دونوں کو مقامی پولیس اسٹیشن میں بلاۓ یہاں ہوں۔“



سینیشن حمید نے دونوں تصویروں کو بفور دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن ان تصویروں سے کیا بنے گا؟“

”کیوں؟“ فریدی نے فائل سے نظر ہٹائے بغیر پوچھا۔

”یہ صرف چھروں کے کلوڑاپ ہیں۔ لمبے پست قدم ہونے کا پتہ کیسے چلے گا۔“

”اجھانہ باقی نہ کرو..... میں جانتا ہوں کہ ان میں سے کون پست قدم ہے اور کون طویل قدم رکھتا ہے۔ اُس ایک لاکی کے علاوہ اور کس نے اتحمیں دیکھا تھا؟“

”اُس کے علاوہ اور کسی نے بھی اُس کی کہانی نہیں دہرائی۔ اُس لیڈی ڈاکٹر اور قلندر کی سکریٹری کے علاوہ اور کوئی مل عی نہیں سکا، جو اُس واقع کے متعلق پوچھتا تھا۔“

”لہذا.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اُس کے بیان کی تصدیق اسی صورت سے ہو سکے گی کہ وہ اپنے ذہن پر زور ڈال کر یہ بتائے کہ ان میں سے کون لمبا تھا اور کون پست قدم.....!“

”اوہ..... تو آپ کو یقین ہے کہ یہی دونوں رہے ہوں گے۔“

”میں اس قسم کے دو آدمیوں سے واقف ہوں۔ ہمارے یہاں اُن کا باقاعدہ روکارڈ بھی موجود ہے۔ پھر کیوں نہ ہم یہیں سے شروعات کریں۔“

”اچھی بات ہے۔“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”میں دیکھوں گا۔“

”اُس نے تصویریں ڈاکٹری میں رکھیں۔ کلوک روم میں آکر فلٹ ہیٹ لی اور پاڈ سنگ شیڈ کی طرف چل پڑا۔“

پچھے دیر بعد اُس کی گاڑی ایگل ٹیک کی طرف جاری تھی۔ ایگل ٹیک پر فریدی کی بھی موڑ بوٹ بھی ہمیشہ ساحل پر موجود رہتی تھی، جس کی گمراہی بہت کے چوکیدار کے ذمے تھی۔

حمدیہ قلندر کی سکریٹری کے تصویر میں کھوی ہوا ابڑیہ سونار کی جانب پڑھتا رہا۔

قلندر بھی یاد آیا جو پہچنے دن خاصا بد اخلاقی ثابت ہوا تھا۔

ممکن ہے وہ آپ کے سوال کا جواب دے سکیں.....؟  
چالو.....! ” قاسم اٹھتا ہوا بولا۔

بوزھی عورت اسے ایک بہت بڑے ڈرائیکٹ روم میں لائی۔ یہاں دو آدمی پہلے سے موجود تھے..... ایک بھاری بھر کم اور دراز قد تھا اور دوسرا دبلا پٹلا اور بوزھا..... بوزھے آدمی کی فرج نکست ڈاڑھی بالکل سفید تھی اور سر کے پاؤں میں بھی کہیں کوئی سیاہ لہر نہیں پائی جاتی تھی۔

بھاری بھر کم آدمی کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان رہی ہو گی۔ لیکن صحت اچھی ہونے کی بناء پر مصر نہیں معلوم ہوتا تھا۔  
جیسے ہی قاسم کرے میں داخل ہوا بھاری بھر کم آدمی اٹھتا ہوا بولا۔ ”آؤ..... آؤ.....  
بیٹے..... ہم تمہارے ہی منتظر تھے۔“

قاسم نے غصیل نظروں سے اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ دراصل اس کا بے تکلفانہ انداز اسے گراں گزار تھا۔

بھاری جسم والے نے بوزھے کی طرف دیکھ کر کہا ”ڈاکٹر..... بھی ہے میرا بیٹا منور جاوید۔“  
”میں نیکا جاوید.....“ قاسم جلے کئے لبھ میں غریا۔ ”میں پوچھتا ہوں میں قہاں ہوں؟“  
”دیکھا آپ نے۔“ بھاری بھر کم آدمی نے دردناک لبھ میں بوزھے سے کہا۔  
بوزھے نے قاسم کے چہرے پر نظر جائے ہوئے پر تشوش انداز میں سر کو جیش  
دی۔ ..... پھر قاسم سے بولا۔ ”تم کھڑے کیوں ہو..... بیٹھ جاؤ۔“  
”ٹھیک ہے۔“ قاسم بیٹھتا ہوا بولا۔ ”تم بیٹا کہو تو ٹھیک بھی ہے..... لیکن یہ..... جراں  
کی شکل تو دیکھو..... بھیجے بینا کہتے ہیں۔“

”دیکھا آپ نے؟“ بھاری بھر کم آدمی نے پھر بوزھے سے کہا۔  
”ہوں.....!“

”بالکل نہیں پہچانتا..... اسکی عی باتیں کرتا ہے جیسے میں اس کے لئے اجنبی ہوں۔“  
بھاری بھر کم آدمی نے خندی سائنس لے کر کہا۔  
”کوئے.....!“ قاسم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم کہاں کی ہائک رہے ہو.....“

فلندر نے کھڑکی کھول کر سر نکلا اور کسی کٹکھنے کے کی طرح غریا۔ ”وہ آج نہیں آئی۔“  
”اچھا تو اس کے گھر کا پتہ بتاؤ۔“

”جہنم میں جاؤ۔“ کہہ کر اس نے زور دار آواز کے ساتھ کھڑکی بند کی اور دوسری طرف سے چیخ کر بولا۔ ”جاو جو کچھ بگاڑنا ہے بگاڑ لینا۔“  
میر اس نے مکھ پولیس کو گندی سی گالی بھی دی۔  
”اچھا، اچھا..... دیکھوں گا۔“ حمید سر ہلا کر بولا اور وہاں سے چل پڑا۔



**Urdu**  
*it's all about Urdu*

قاسم نے بھاڑ سامنہ پھیلا کر جماں لی اور ایک آنکھ بند کر کے اوٹکھنے لگا۔  
بوزھی عورت سانے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

وفتحاودہ کھکاری اور قاسم چوک کر آنکھیں چھاڑنے لگا۔  
بالآخر ہاتھ ہلا کر غریا۔ ”بھائغ..... جاؤ.....!“

”بڑے سرکار نے یاد فرمایا ہے جناب.....!“  
”کون بڑے سرکار میں کسی کو نہیں جانتا..... وہ دونوں سائے کہاں ہیں؟“  
”کون دونوں.....!“

”ارے تو قیامیں ان کے نام بھی جانتا ہوں۔“  
”بھر بیتا یے سرکار میں کیسے بتا سکوں گی۔“

”وہ دونوں..... وہ..... ایک لمبا تھا اور دوسرا اتنا.....!“  
”یہاں..... نہ کوئی بہت لمبا ہے اور نہ کوئی ناٹا۔ پھر میں کیا ہاتا سکوں گی۔“  
”اب یہ بھی میں عی بتاؤں کر تم کیا بتا سکوگی۔“ قاسم جھنجلا کر بولا۔  
”ای لئے گذارش ہے سرکار کے تشریف لے چلے..... خود ہی پوچھ لیجے گا بڑے سرکار۔“

”یا اللہ میرے حال پر حرم کر.....!“ بھاری بھر کم آدمی کی آواز رفت آئیز تھی۔

”اوے..... ادھر دیکھو..... میری طرف..... وہ دونوں سانے کہاں ہیں..... اور یہ کیا چار سو نیس ہے..... اب میں واپس جانا چاہتا ہوں..... اور تم ابھی منور جاوید کے کہہ رہے تھے..... میں تو قاسم ہوں قاسم۔“

”دیکھا آپ نے.....!“ بھاری بھر کم آدمی نے پھر بوڑھے کو مخاطب کیا۔

بوڑھا قاسم کے چہرے پر نظر جائے ہوئے سر ہاتا رہا۔

”نہیں دیکھا انہوں نے۔“ قاسم جلا کر بولا۔ ”تم دیکھو میری طرف.....!“

”بیٹے بیٹے..... ہوش میں آؤ.....“ بھاری بھر کم آدمی قریب قریب رو دیا۔

”اے اے.....!“ قاسم دانت پیس کر گھونسہ ہلاتا ہوا بولا۔ ”میں جیادہ لبادا اخ پسند نہیں کرتا..... ہو گئی تھوڑی دیر کی..... ہاں.....!“

بھاری بھر کم آدمی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر باقاعدہ طور پر سکیاں لینے لگا۔ بوڑھا آدمی اُس کے قریب آیا اور شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں سر جاوید..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... میڈیکل سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔“

بھاری بھر کم آدمی بدستور منہ چھپائے ہوئے رو تارہ۔ بوڑھے نے پوچھا۔ ”لینڈی جاوید کہاں ہیں۔“

”میں نے انہیں..... انہیں..... باہر بیج..... بھجو دیا ہے.....!“ بھاری بھر کم آدمی نے سکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ”وہ اس صدمے کی تاب نہ لاسکتیں۔“

”اچھا کیا..... اچھا کیا!“ بوڑھا سر ہاتا کر بولا۔ ”بہر حال میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ..... اکثر لوگ وقتی طور پر اپنی یادداشت کھو بیٹھتے ہیں۔ یہ مرض مستقل نہیں ہوتا.....!“

”ابے او سالو..... یہ قیا گھپلا ہو رہا ہے۔“ قاسم ذہرا۔ ”قون سالا اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“

”بڑی بی..... تم اے لے جاؤ.....“ بھاری بھر کم آدمی سکیوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

”لے گیں بڑی بی۔“ قاسم نے کسی لڑاکا عورت کی طرح ہاتھ چاکر کہا۔ پھر صوفے کے

## اُن کی شناخت

نہ جانے کیوں خمید نے اپنی دھمکی کو عملی ٹکل دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اُس دن ٹال  
تھا گیا۔ دوسرے روز پھر جزیرہ سونار کے ساحل پر موجود تھا۔  
سامنہ کو لانچ سے اترتے دیکھا۔.... لیکن فوری طور پر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی  
کوشش نہیں کی۔ خاموشی سے اُس کا تعاقب کرتا رہا۔ کسی ایسی جگہ روکنا چاہتا تھا جہاں پکھو دی

”میں اس کے طریقہ کار کو سنک سمجھتی تھی۔“

”کیا طریقہ کار...؟“

”کمرے میں بند ہو کر ماٹرک پر ڈلکھت کرتا ہے..... میں دوسرا کمرے میں پڑھتی ہوں۔“

”بہت چالاک ہے۔“

”اوہ..... مجھے کیا۔“ سارہ نے گھری دیکھتے ہوئے کہا ”اہ آپ کیا پوچھنا پا جائے تھے۔“

”اگر آپ ان دونوں کو دوبارہ دیکھیں تو پہچان لیں گی تا.....!“

”یقیناً پہچان لوں گی۔“

حید نے دونوں تصویریں نکالیں..... اور بولا۔ ”تاہیے؟ کیا بھی دونوں تھے؟“

” بلاشبہ ہی تھے.....!“ وہ دیکھتے ہی بولی۔

”ابدیہ تھا کہ ان میں سے کون لمبا تھا اور کون کوتاہ قدر.....!“

یہ تھانے میں بھی سارہ نے دیر نہیں لگائی تھی۔ حید اس کے جوابات کے مذاہب

تصویروں کی پشت پر کچھ لکھنے لگا تھا۔

”اچھا..... بہت بہت شکر پر۔“ اس نے کہا۔

”ٹھہریے..... میری ایک بات کا بھی جواب دیتے جائیے۔“

”فرمائیے۔“

”اس کیس میں میری کیا حیثیت ہو گی۔“

”کچھ بھی نہیں..... میرا خیال ہے کہ شائد آپ کو عدالت میں بھی اس کے متعلق

کچھ نہ کہنا پڑے۔“

”پھر آخر اس کا کیا مطلب ہے؟“

”کس کا..... کیا مطلب؟“ حید نے حرمت سے پوچھا۔

”میرا تعاقب کیوں کیا جاتا ہے؟“

”کون کرتا ہے تعاقب.....؟“

”آپ کے علکے کا کوئی آدمی.....!“

”قطیعی نہیں۔ میں اس کیس کا انچارج ہوں..... اگر اس حکم کی کوئی بات ہوتی تو میری

کیفیتی دیکھ لے۔

”کیفیتی دیکھ لے۔“

”کل سے پریشان ہوں.....!“ حید بولا۔

”کیوں.....؟“ وہ جھوٹلا گئی۔ پھر سنجھل کر زبولی۔ ”اوہ..... آپ عی تھے۔ شائد اس

دن..... میرا مطلب ہے جنہوں نے اس جھٹے کے متعلق پوچھ جگہ کی تھی۔“

”جی ہاں..... اور اب پھر تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں..... آئیے ذریز میں۔“

”مجھے افسوس ہے آپ دیں تشریف لا میں..... دس منٹ کے اندر اندر مجھے ذیوں پر

چھپتا ہے۔“

”کل آپ نہیں آئی تھیں..... اچھا چلتی رہتے۔“

”جی ہاں..... کل نہیں آئی تھی۔“

وہ پھر آگے بڑھ گئے..... حید اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

”میں سمجھا تھا شائد فندر نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ حید نے محسوس کیا کہ وہ کچھ کہنا بھی چاہتی ہے لیکن کسی وجہ سے شائد زبان کھولنا مناسب بھی نہیں سمجھتی۔

”میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ جیسی شائستہ خاتون اسے کس طرح برداشت کرتی ہے۔“

”ملازمت ٹھہری۔“ سارہ کا الجھ تھا تھا۔

”کل تو میں نے سوچا تھا کہ اسے خانے ہی میں بلااؤں مگر پھر مصف سمجھ کر چھوڑ دیا۔“

”آپ عی کی لائیں کا مصف ہے۔“

”بھک مرتا ہے۔ میں نے تو کبھی پڑھی نہیں اس کی کوئی کتاب۔ البتہ پڑھنے لکھنے لوگوں

کو کہتے ہاں ہے کہ سکشن بیک پیریز کے نادلوں پر ہاتھ صاف کرتا ہے۔“

”نہیں.....!“ وہ چلتے چلتے رک گئی۔

”بس کاربن کاپی سمجھے! امام اور مقام بدلت کر پیش کر دیتا ہے۔“

”آپ میں سمجھی۔“

”کیا سمجھیں؟“

حمد نے دونوں تصویریں اپنے نوٹ سسیت اُس کے سامنے رکھ دیں۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اچانک وہ اس معاملے میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔

”لوکی نے شاخت کرنے میں بخلی نہیں کی۔“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”کوئاں قد کا نام قادر ہے اور لبے آدمی کا نام جواد۔.... دونوں ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں اور بڑی بھی ہمیشہ شرکت ہی میں ہوتا ہے.... اسکلر قم کے سرمایہ داروں کے لئے مناسب معاوضے پر کام کرتے ہیں۔“

”تو پھر اب مجھے کیا کرنا چاہئے.....!“ حمد نے پاپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

”جلد بازی کی ضرورت نہیں۔“

”پھر حمد نے سائز کی کہانی دہراتے ہوئے اُس آدمی کا تذکرہ کیا جو اُس کے بیان کے مطابق اُس کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔

”ظاہر اس بحالتے میں اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”لڑکی کا خیال تھا کہ ہمارا مکمل اُس میں اس حد تک دلچسپی لے رہا ہے.....!“

”ہوں.....!“

حمد پاپ سلکارہ تھا۔



قاسم کو اس کی قطعی فکر نہیں تھی کہ اُس کے گھر والے پریشان ہوں گے اور نہ یہی اندازہ تھا کہ وہ کتنے دنوں سے اس چکر میں چڑا ہوا ہے۔ اُس کی زبان توہر وقت ان لذیذ کھانوں پر رال پکالی رہی تھی، جو دافر مقدار میں اُس کے سامنے آتے تھے اور کوئی یہ کہنے والا بھی نہیں تھا کہ بھوک رکھ کر کھانا۔.... بے حد خوش تھا کہ چلوانی جلنے تین یوں سے تو پیچھا پھونٹا جو اُسے پیٹ بھر کھاتے ہی نہیں دیکھ سکتی تھی۔.... سر پر سوار رہتی تھی۔ بکخت نوکتی

عوامیت سے ہوتی۔“

”پھر وہ کون ہے؟“

”براؤ کرم مجھ سے اُس کے متعلق ضرور تائیے۔“

”یہاں سے واپس جانے لگتی ہوں تو لائچ کے قریب کھڑا ملتا ہے۔ ایگل نیچ پہنچ کر وہاں سے ایک عیسیٰ بُس میں ہم دونوں شہر تک جاتے ہیں۔ وہاں سے گھر تک بیدل تعاقب کرتا ہے۔ کچھ دیر مکان کے سامنے کھڑا رہتا ہے۔ میں جب گھر سے یہاں آنے کے لئے تکلی ہوں تو وہ اُس پاس عیسیٰ موجود ہوتا ہے۔.... یہاں تک ساتھ آتا ہے۔“

”تب تو..... وہ اس وقت بھی .....!“ حمد چلنے چلتے رک گیا اور پھر دفتار یچھے مڑا۔.... سارے جوں کی توں کھڑی رہی، اُس نے مذکر نہیں دیکھا تھا۔....

”مجھے تو کوئی بھی تہیں دکھائی دیتا۔.... یہاں سے موڑ تک سڑک سنان ہے۔“

”مکھی ڈاڑھی والا۔....“ وہ مڑے بغیر آہستہ سے بولی۔

”اُرے..... ایک تنفس بھی نہیں ہے۔“

سائز بھی مژکر دیکھنے لگی۔ سڑک سنان پڑی تھی۔

”تعجب ہے..... حالانکہ لائچ سے اترتے وقت تک وہ میرے پیچے رہا تھا۔“

”بہر حال امیر امکنہ آپ میں اس حد تک دلچسپی نہیں لے رہا۔“ حمد مسکرا کر بولا۔

”میں نہیں کچھ سکتی..... کیا چکر ہے۔“

حمد نے جیب سے اپنا وزینگ کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”آپ مجھے ان نمبروں پر فون کر سکتی ہیں۔ جب بھی ضرورت محسوس کریں۔“

”بہت بہت شکر یہ۔“

”میں دلکھوں گا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔.... اچھا شکر یہ۔“

حمد وہیں سے ساحل کے لئے مڑ گیا۔

فریدی سے ایگل نیچ والے ہشت میں ملاقات ہونے کی توقع تھی۔ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ انہیں قاسم کی علاش تھی۔ وہ اکثر تبدیلی کے لئے ایگل نیچ چلا آتا تھا۔ قاسم والے واقعہ سے اسی حد تک دلچسپی تھی کہ اُس کے خاندان والوں نے دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

”باتا ہوں۔“ ذاکر کی آواز سے دبا ہوا جوش ظاہر ہوا تھا۔ ”لیکن اس گفتگو کے دوران میں لیدھی جاوید کی موجودگی ضروری نہیں۔“

”میں جاری ہوں....!“ عورت اٹھتی ہوئی بولی۔

وہ لا ببری سے چلی گئی۔ قاسم اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ بڑی زوردار عورت ہے اُس نے سوچا۔

ذاکر سر جاوید سے کہہ رہا تھا۔ ”درالص آپ کی یہ بے جوڑ شادی ہی صاحزادے کے مرض کا باعث نہیں ہے۔“

”بخلاف کیسے؟“ سر جاوید کا لہجہ خصیلا تھا۔

”صاحبزادے نے اس سے گہر اثر لیا اور یادداشت کھو بیٹھے۔ آپ نے سنائیں کیا کہا تھا.... بیٹھی۔“

”لا حول ولا قوۃ....!“

قاسم ساری گفتگو سن رہا تھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ وہ تو اس عورت کے متعلق سوچے جا رہا تھا اور ان کی گفتگو نے یہ بات بھی اُس پر واضح کر دی تھی۔ وہ عورت سر جاوید کی بیوی ہی ہو سکتی ہے۔

”آپ نہیں سمجھ سکتے۔“ ذاکر سر جاوید سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ نفیات کی گھیاں ہیں.... بعض واقعات انسانی ذہن کے لئے اتنے اذیت ناک ثابت ہوتے ہیں کہ وہ نہ صرف ان واقعات کی حد تک یادداشت کھو بینتا ہے بلکہ ان نے تعلق رکھنے والی دوسری چیزیں بھی شعور کی سطح سے نیچے پھینک دیتا ہے۔ مثال کے طور پر نہ صرف یہ شادی صاحبزادے کے ذہن سے محظی ہو گئی بلکہ اپنے دونوں بھی اجنبی بن کر رہ گئے۔ انہیں یہ بھی یاد نہیں کہ وہ آپ کے میئے ہیں۔ آپ کے میئے کی حیثیت سے جس نام سے پکارے جاتے تھے وہ بھی۔“

استئنے میں قاسم کو چھینک آگئی اور وہ دونوں ہی اچھل پڑے۔ ... اُسکی گرجدار آواز تھی کہ دیواریں تک جھنجھنا تھیں۔

”میری کچھ میں نہیں آتا....!“ سر جاوید نے تاخوٹ گوار لمحہ میں کہا۔ اُس کی آواز بھی بدل گئی ہے۔ ... کاف کو قاف اور گاف کو غین بولتا ہے۔“

رہتی تھی۔ ارے اب بس کرو، میں چھاتیاں تو کھا پچھے..... میں چھاتیوں میں بھلا کیا ہوتا ہے.... میں تھوڑیاں ہوں تو بات بھی ہے.... کی بار اُس نے تجویز پیش کی تھی کہ بادرپچی خاصیتی ہے۔ تھوڑی کیوں نہ لگوادیا جائے۔ بیوی ایسی تجویز کو لے اڑتی تھی۔ ایسا معنکی اڑاتی تھی کہ قاسم کو پیش اوقات رونا آجاتا تھا.... اُس کا بگاڑی کیا سکتا تھا.... قبلہ والد صاحب کے ہنر سے توسط سے اُس کی ساری باتیں ہضم کرنی پڑتی تھیں۔

مگر یہ کیا چکر تھا.... وہ سوچتا.... آخر یہ سالا سر جاوید کون ہے جو مجھے اپنا بیٹا بنا ڈالے پر ٹھیک گیا ہے.... وہ سنو.... میں یادداشت بھی بھوپلہ ہوں کہ باب صاحب کو پیچان ہی نہیں سکتا اور یہ سالا بڑھا جسے سر جاوید ذاکر کہتا ہے.... خواہ جنواہ دماغ چاتا کرتا ہے۔ بے شکل پوچھتا ہے۔ کہتا ہے یہ یاد کر کے بتاؤ.... وہ یاد کر کے بتاؤ۔ اچھا بیٹا بہاؤں گا تم کو.... اب کے آؤ.... ایسا بہاؤ بناوں گا کہ زندگی بھریا د کرو گے۔

دوپھر کے کھانے کے بعد بیوڑی میں ملازمہ پھر اُسے لا ببری میں لے گئی۔ بہاں سر جاوید کے ساتھ ایک عورت بھی نظر آئی۔ وہ بھی اسی کی طرح بھم شیم تھی۔ لیکن ساتھی خوش شکل بھی۔ ... عمر پچیس چھیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔

بڑھا ذاکر بھی موجود تھا.... قاسم اُس عورت کو دیکھا تھا رہ گیا۔ بار بار خشک ہوئوں پر زیادہ پھیرتا۔

”ہاں.... ہاں....!“ سر جاوید سر ہلا کر بولا۔ ”پیچاں لوں.... یہ کون ہیں....!“ ”پس.... پیچاں لوں.... پیچاں لوں....!“ قاسم کے کہنے کا انداز بوكھلاہست سے بھر پور تھا۔

”ہاں ہاں.... بیٹے۔“

”یہ.... یہ۔ وہ ہیں....!“ قاسم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ ”کون ہیں؟“ ذاکر کا لہجہ پر امید تھا اور اُس کی آواز کا نپ رہی تھی۔ ”ان کی بیٹی۔“ قاسم نے سر جاوید کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”اوه....“ ذاکر اُن پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تاوی کیٹ از آوٹ آف بیگ....!“

”کیا مطلب....!“ سر جاوید نے متحرنہ لہجے میں کہا۔

”سب کچھ ممکن ہے سر جاوید۔“ یوڑھے ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں نے تو ایسے بیس دیکھے ہیں کہ لوگ یادداشت کھو بیٹھنے کے بعد کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ تو زائدہ پچھوں کی طرح غور عان کرتے ہیں..... اور پھر اسی طرح بتدر تھے بولنا سمجھتے ہیں جیسے کوئی تو زائدہ پچھوں کے بڑھنے کے ساتھ سمجھتا ہے! شکر تجھے کہ یہ نوٹل لاس آف میوری نہیں ہے!!... شخصیتیں بد جاتی ہیں جناب۔“

”لیکن اب کیا ہو گا۔“

”فکر نہ کجھے..... یہ اچھے ہو جائیں گے۔ لیکن وقت لگے گا۔ ہاں یہ تو بتائیے ذریک بھی کرتے تھے یا نہیں۔“

”اعتدال کے ساتھ.....!“

”اب کیا حالات ہے.....!“

”میری رائست میں تو اس حال کو پہنچنے کے بعد اس نے شراب نہیں مالگی۔“

”اچھا باب آپ جائے..... اور لیڈی جاوید کو بھیج دیجئے۔“

سر جاوید چلا گیا اور ڈاکٹر نے قاسم کو اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔ ”آپ کون سی وہیکی پیتے ہیں۔“

”اے تم لوغ مجھے اکو کیوں بنار ہے ہو..... بتاؤ۔“

”آپ نے کب سے نہیں لی۔“

”میں کبھی نہیں پیتا۔“

”ہوں.....!“ ڈاکٹر نے پر تشویش انداز میں سر کو جبکش دی۔

اتنے میں وہی سمجھ شیم خودت کرے میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر انتہا ہوا بولا۔ ”تریف لائیے لیڈی جاوید۔“

قاسم بھی یک بیک سعادتمند نظر آئے لگا۔

”کیا آپ کاؤن سے کبھی کسی بات پر اختلاف رائے ہوا تھا۔“ ڈاکٹر نے لیڈی جاوید سے پوچھا۔

”ہرگز نہیں ڈاکٹر..... میں سر جاوید سے زیادہ ان کا خیال رکھتی تھی۔ میں نے اپنی

”طرف سے کبھی یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ ہمارے درمیان کوئی سوچتا رکھتے ہے!“

”ان کا رو یہ آپ کے ساتھ کیسا تھا۔“

”کبھی نہ رہا۔ میرا احترام کرتے تھے۔“

”ہوں.....!“ ڈاکٹر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

قاسم سکھیوں سے لیڈی جاوید کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ بھی نظر جو اکر اس کی طرف دیکھ لئی تھی۔

تحوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے کھلا کر کہا۔ ”لیڈی جاوید..... ان کی یادداشت جب بھی واپس آئے گی آپ ہی کے توسط سے واپس آئے گی۔“

” بتائیے میں اس کے لئے کیا کروں۔“

”انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کیجئے۔ سر جاوید کا سامنا نہ ہونے پائے تو

بہتر ہے۔“

”بھلاکی کیسے ممکن ہے..... آپ ہی انہیں سمجھا دیجئے گا۔“

”میں سمجھا دوں گا.....“ ڈاکٹر نے کہا اور پھر پچھوں سوچنے لگا۔

## چھلاؤا

کیپشن حید نے رسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے کرٹل فریدی سے کہا۔

”پرنسن کے اچادر کی کال تھی اُس نے ان دونوں کو روک رکھا ہے۔“

”تو پھر میں کیا کروں..... جاؤ دیکھو۔“ فریدی نے کاغذات پر سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔

”نہیں آپ بھی چلئے..... ہو سکتا ہے میں انہیں پینڈل نہ کر پاؤں۔“

”بھی مجھے مت گھیٹھواں معاملے میں..... اور بھی بہت سے کام ہیں۔ اتنی خود

”وہیں جہاں اسے ہونا چاہئے تھا۔“  
”سجیدگی سے میرے سوالات کے جواب دو.....“ فریدی نے سخت لمحے میں کہا۔  
”میں نے ناظر نہیں کہا..... ہمیں اس کی گرفتاری پر مامور کیا گیا تھا۔ کہا گیا تھا کہ وہ اپنی  
یادداشت کو بیٹھا ہے..... ابے گرین ہوٹل سے کہیں اورتے جائے دیں।“

”مگر ان پر کس نے مامور کیا تھا۔“

”سینئنھ عاصم کے سکریٹری تھے۔“

”اوہ..... اچھا تو پھر کیا ہوا؟“

”جب ہم نے دیکھا کہ پولیس کیس بن جائے گا تو ہم نے اسے وہاں سے ہٹالے جانا ہی  
مناسب سمجھا۔“

”اوہ خود کو پولیس سے متعلق ظاہر کیا..... کیوں؟“

”مجبوری تھی جناب..... اگر ہم ایسا نہ کرتے تو اپنے مقصد میں کامیاب ہی نہیں  
ہو سکتے تھے۔ لوگ یقیناً ہمارے پیچھے آتے۔“

”ہوں تو پھر تم اسے کہاں لے گئے۔“

”سکریٹری کی لائچ پر.....!“

”کیا وہ وہاں پہلے سے موجود تھی۔“

”میں ہاں..... ہم سے کہا گیا تھا کہ جب بھی مزید ہدایات کی ضرورت محسوس ہو ہم  
اس لائچ پر پہنچ جائیں۔ غالباً وہ بھیشہ وہاں موجود رہتی ہے۔“

”پھر کیا ہوا.....؟“

”اے ہم سکریٹری کے ہوا کر کے چلے آئے تھے۔“

”وہ اس وقت لائچ پر موجود تھا۔“

”میں ہاں.....!“

”اس کام کا معادو ضر کتنا اور کب ملا تھا۔“

”پائچ سو روپے..... دوسرے دن۔ ہمیں ہماری قیام گاہ ہی پر مل گئے تھے۔“

”سکریٹری خود آیا تھا۔“

اعتمادی تو تم میں ہوتی ہی چاہئے۔“

”دیکھئے..... یہ میرا کام ہے۔ آپ خواہ مخواہ دنیا بھر کے کام سینئنھ پھر تے ہیں اور ان  
میں مجھے بھی جھوٹ دیتے ہیں..... تب میں تو کچھ نہیں کہتا۔“

”یاد کوئی کام میں کام بھی ہو۔“ فریدی کانڈات کو ایک طرف ہٹا کر اٹھتا ہوا بولا۔  
”چلو....!“

دونوں آفس سے باہر آئے۔ لیکن پارکنگ شیڈ میں کھڑی تھی۔ حید اگلی سیٹ پر اس  
کے برادری بیٹھ گیا۔ فریدی انہیں استارٹ کرتا ہوا بولا۔ ”صاجزاً دے یا تو کسی غیاشی کے پھر  
میں پڑ گئے ہیں..... یا وہ دونوں سینئنھ عاصم سے کوئی لمبی رقم وصول کرنا چاہئے ہیں۔“

”عیاشی کے پھر میں وہ تھا بھی نہیں پختا۔“

”کیا مطلب....!“

”جھٹے اطلاع دیئے بغیر اپنے کسی عشن کو آگے نہیں بڑھاتا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پرنٹش کے تھانے تک آئے..... قادر اور جواد وہاں موجود  
تھے۔ پرنٹش کے تھانے کا انچارج انہیں دفتر میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ حید نے محسوس کیا  
بھیسے وہ دونوں فریدی کو پہچانتے ہوں۔

”کیا مشاغل ہیں آج کل آپ حضرات کے۔“ فریدی نے سخت لمحے میں پوچھا۔

”وہی پرانی کیشن اسکھی۔“ لمبے آدمی نے جواب دیا۔ لمحے میں اکتاہٹ تھی۔

”ایک ہنگامے کے تفتیش کے سلسلے میں جسمیں یہاں بلوایا گیا ہے۔“ فریدی اس کی

آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ہلا، ہمیں ہنگاموں سے کیا سروکار۔“

”پانچویں نارائن کی بات ہے! سونار میں..... کسی ایسے آدمی کا جھگڑا تھا جس نے ایک

عورت کو کانڈھے پر بٹھا کر کھا۔“

”اوہ.....!“ دونوں نے یہ کوت کہا اور ہنس پڑے۔ فریدی انہیں استفہامی نظر و نظر

سے دیکھا۔ آخر جواد نے پوچھا۔ ”آپ اس کے متعلق کیا پوچھنا چاہئے ہیں۔“

”تم دونوں اسے کہاں لے گئے تھے؟“

”فرمایے.....!“ سکریٹری نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”میا آپ ان دونوں کو پہچانتے ہیں۔“

اس نے متین رانہ انداز میں باری باری سے دونوں کی طرف دیکھا اور سر ہلاکر بولا۔

”می نہیں؟“

”لیکن یہ دونوں تو کہتے ہیں.....!“ فریدی نے جملہ پورا نہیں کیا۔

”میا کہتے ہیں.....!“ سکریٹری کے لمحے میں بھی استعجاب تھا۔

”بھی کہ یہ دونوں آپ کو پہچانتے ہیں اور آپ بھی انہیں.....!“

”ہم نے کب کہا ہے؟“ دونوں یک وقت بولے۔

”یہ سینہ عاصم کے سکریٹری ہیں۔“

”اوہ.....!“ جواد جلدی سے بولا۔ ”لیکن یہ وہ نہیں ہیں۔“

”ان کے علاوہ سینہ عاصم کوئی دوسرا سکریٹری نہیں رکھتے..... کیوں جتاب۔“

”می ہاں.....؟“ سکریٹری بولا۔ وہ اب بھی ان دونوں کو گھورے جا رہا تھا۔ لیکن اسی

طرح جیسے کوئی کسی اجنبی کو دیکھتا ہے۔

حید نے حسوس کیا جیسے ان دونوں کا اضطراب بڑھ گیا ہو۔ وہ فریدی کو اپنی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کاں نے انہیں الجھن میں جلتا کر دیا ہو۔

فریدی کری کی پشت سے یہی لگا کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ لیکن وہ اب بھی ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

”می نہیں..... وہ کوئی اور تھا۔“

”سکریٹری کو پہلے سے جانتے تھے۔“

”می نہیں! لیکن شائد وہ نہیں اچھی طرح جانتا تھا۔ ورنہ ہم سے یہ کام ہی کیوں لیتا۔“

”اس آدمی کو بھی پہلے سے جانتے تھے جس نے وہ ہنگامہ برپا کیا تھا۔“

”می نہیں..... سکریٹری ہی نے بتایا تھا کہ وہ سینہ عاصم کا لڑاکا ہے۔“

”سینہ عاصم سے کبھی ملے ہو.....!“

”می نہیں..... اس کا بھی نام تھا سنا ہے۔ کبھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

فریدی نے ہاتھ بڑھا کر کسی کے نمبر ڈائل کے اور ماڈل چیز میں بولا۔ ”سینہ عاصم پلیز.....!“

چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”ہلو، عاصم صاحب! میں فریدی بول رہا ہوں.....“

پرنسپن پولیس اسٹشن سے..... ذرا اپنے سکریٹری کو سینہ بھیج دیجئے۔“

”می ہاں..... جتنی جلدی ممکن ہو..... بلکہ فوراً..... شکریہ۔“

ریسیور رکھ کر وہ سگار سلاکانے لگا۔ لیکن اب وہ ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

حید نے حسوس کیا جیسے ان دونوں کا اضطراب بڑھ گیا ہو۔ وہ فریدی کو اپنی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اس کاں نے انہیں الجھن میں جلتا کر دیا ہو۔

فریدی کری کی پشت سے یہی لگا کر سگار کے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا۔ لیکن وہ اب بھی

ان دونوں کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ایک کار تھانے کی کپاؤٹ میں آکر رکی اور اس پر سے سینہ عاصم کا

سکریٹری اترد جید اسے پہچانتا تھا۔ اس نے کھڑکی سے دیکھا کہ وہ برآمدے میں رک کر ایک

کاشٹیل سے کچھ پوچھ رہا ہے۔ کاشٹیل نے ہاتھ اٹھا کر دفتر کی طرف اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر بعد

سکریٹری دفتر میں داخل ہوا۔ وہ دونوں بھی اس کی طرف دیکھنے لگے تھے اور فریدی ان تینوں

کے چہروں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

”کری! فریدی صاحب؟“ سکریٹری نے ایک ایک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”می ہاں..... تشریف رکھتے۔“ فریدی نے خالی کری کی طرف اشارہ کیا۔

سائزہ کا خیال آتے ہی دل میں بیجی گدگدی حسوس ہوئی..... کتنی اچھی لگتی تھی اس وقت جب باشیں کرتے کرتے، فریدی نہیں ہوتا۔ دانہوں میں دبائ کر کچھ سوچنے لگی اور پھر اس

طرح بولنا شروع کر دیتی جیسے ابھی ابھی خواب سے بیدار ہوئی ہو۔

حمد آج کل زیادہ تر اُسی کے بارے میں سوچتا ہتا تھا۔

اس وقت بھی سونار علی کی طرف جاذبہ تھا..... قاسم کی تلاش بھی ابھی تک سونار سے آگے نہیں بوٹی تھی..... وہ جواد کو پہلے دن سونار لائے تھے اور وہاں اُس انج کی تلاش دیر تک جادی رہی تھی جس کا تذکرہ انہوں نے کیا تھا! لیکن اُس کا سراغ نہیں مل سکا تھا..... گھٹ کے دوسرے ملا جوں نے بھی لا علمی ظاہر کی تھی۔ اُن کے بیان کے مطابق روزانہ کتنی ہی آتی جاتی رہتی تھیں۔

جواد اور قادر اُس انج کی کوئی ایسی خاص نشانی بھی نہیں بتا سکے تھے جس کی بناء پر تلاش آگے بڑھ سکتی۔

بہر حال وہ دونوں ابھی تک حرast میں تھے۔ انہوں نے اس کی بھی کوشش نہیں کی تھی کہ کوئی اُن کا خاص من بن کر انہیں رہائی داد دیتا۔

"ہم اب اسی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔" جواد نے کہا۔ "تو قیکڑ وہ آدمی ہاتھ نہ آجائے، جس نے ہم سے یہ کام لیا تھا! ہم حوالات ہی میں رہنا مناسب سمجھیں گے۔" اور پھر فریدی کو یہ کہنے پر مجبور ہو چاتا پڑا تھا کہ اب یہ حقیقت ایک سیر لیں قسم کا یکس بن گیا ہے۔

قاسم کی بیوی بے بعد پریشان تھی اور عاصم صاحب کی بوكھلا ہٹوں کا کیا پوچھنا۔ اکلوٹا لڑکا تھا۔ وہ اپنے اعزاز پر بھی شہر ظاہر کر بیٹھے تھے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اُن سے اس طرح پوچھ گھنٹہ کی جائے جو انہیں اُن کی طرف سے بدگمان کر دے۔

ہر طرف تنشیش کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ لیکن ابھی تک تو کامیابی کی صورت نظر نہیں آئی تھی..... اس لئے اب مجبور اس اسراہ.....؟ ویسے اگر اُس نے کسی ایسی آدمی کا تذکرہ نہ کیا، ہوتا جو اُس کا تعاقب کیا کرتا تھا! بھی حید کو اُس کے علاوہ اور کوئی ایمان و کھاند دیتا جس کے ذریعہ مجرم یا مجرموں تک اُس کی وسائلی اُس کی واقعیت میں ممکن ہوتی۔ آن وہ شہر ہی ہے اُس کا تعاقب کرتا ہوا ایگل بیچ تک پہنچا تھا!

شہر سے ایگل بیچ تک تو کوئی بھی ایسا نہیں نظر پڑا تھا جس پر اس اسراہ کے تعاقب کرنے کا

شبہ ہو سکتا۔ لیکن جب وہ سونار کے لئے انج پر بیٹھنے لگی تھی تو ایک آدمی قریب کے ایک پائے خانے سے نکل کر انج کی طرف جھینٹا تھا۔ حید نے محسوس کیا کہ اُس کا حلیہ سارہ کے بیان کردہ طلنے سے مختلف نہیں تھا۔

البتہ وہ شاکر تاریک شیشوں کی عینک کا تذکرہ کرنا بھول گئی تھی۔

وہ بھی اُسی انج پر بیٹھ گیا۔ اُس نے تھیک سارہ کے پیچھے والی سیٹ منتخب کی تھی۔ حید اُس کے پیچھے جای بیٹھا۔ پہ نہیں کیوں وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ آدمی اجنبی ہونے کے باوجود بھی پچھے جانا پہنچانا ساما ہو۔

ہر چند کہ سارہ کا رخ اُس کی طرف نہیں تھا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا جیسے وہ بہت زیادہ مضطرب ہو۔ ویسے ایک بار بھی اُس نے ہر کر پیچھے نہیں دیکھا تھا۔

پھر انج نے ایگل بیچ کا ساحل چھوڑا تھا اور سونار کے ساحل سے آگئی تھی۔ دوسرے مسافر اترتے رہے لیکن حید بیٹھا رہا۔ سارہ اُس سے بے خبر تھی اُس لئے جب وہ اترنے لگی تو حید نے اپنا منہ دوسری طرف موڑ لیا۔ اُس کے بعد وہ آدمی اتراد۔

حید نے سارہ پیچھے ہر کر دیکھے بغیر آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس آدمی کے اتر جانے کے بعد حید بھی اتر کر لیکن وہ آدمی سارہ کے پیچھے جا رہا تھا۔

حید اُس کا تعاقب کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ گرین ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ سارہ "بیت الحکیم" کی طرف چل گئی تھی۔

حید نے فوراً ہوٹل میں داخل ہونا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن پھر یہ احتیاط لے سی ڈوبی۔ ڈائینگ ہال میں تو اُس کا سراغ نہ مل سکا۔ حید نے چاروں طرف دیکھا اور یہ سوچتے ہوئے اپنے لئے ایک میز منتخب کر لی کہ وہ اسی ہوٹل کے کسی رہائشی کمرے میں موجود ہو گا۔ بیٹھتے ہی ایک دیر اُس کی طرف آیا۔

"چاۓ.....!" حید نے میتو پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور چکن سینڈوچ بھی اٹا۔" دیر پڑا گیا۔

تمن کے علاوہ اور ساری میزیں خالی تھیں۔ حید سوچ رہا تھا کہ اُس کے متعلق دیر سے

ہو گئی ہے۔ قلندر نے پہلے بھی بتایا تھا۔  
”ارے کوئی ہے۔“ اُس نے چھانک ہلا کر آواز دی۔  
”فرمائیے جناب۔“ پشت سے آواز آئی اور حید جھنجھلا کر مڑا۔ کونکہ آواز قلندر عی کی  
تھی۔ ایک بار پہلے بھی یہی واقعہ چیز آپ کا تھا۔  
”کیا تم مجھ پر رحم نہیں کر سکتے۔“ قلندر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔  
”میں نہیں سمجھتا۔“  
”اُس کا پیچھا جھوڑ دو۔“  
”کچھ پوچھتا ہے۔“  
”جب تک پوچھتے رہو گے.....!“ قلندر یک ٹیک عصیٰ آواز میں چیخا۔ اتنے میں کسی  
نے چھانک بھی کھول دیا اور قلندر اسی لمحے میں دہاڑا۔ ”تم کیوں آگئیں..... واپس جاؤ۔.....  
جاو۔.....!  
چھانک زور دار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

”اچھی بات ہے قلندر صاحب۔“ حید نے طویل سانس لی۔ ”اب میں بچھے تمہیں  
”تمن چار دن سے دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔..... کہنے ان سے کچھ کہنا about / دیکھوں گا۔“  
ہے۔ آئیں گے تو کہہ دوں گا۔“  
”نہیں..... جاؤ..... کچھ نہیں۔“

## جنگ

آن قسم کھانے کی میز پر تھا نہیں تھا وہ خوب و اور لمبی تر گی عورت بھی اُس کا ساتھ  
دے رہی تھی۔ قاسم کچھ شرمیا سا تھا..... لیکن کھانے کے معاملے میں نہیں۔ بس اُس کی  
طرف دیکھے نہیں رہا تھا اور یہی ظاہر کر رہا تھا کہ اُس کی تمام تر توجہ کھانے کی طرف ہے۔

پوچھ کچھ کرے گا۔ یقیناً وہ میں مقیم ہو گا۔

کچھ دیر بعد ویٹر چائے اور سینڈ وچ لایا۔

”سنو.....!“ حید نے آہست سے کہا اور ویٹر اُس کے چہرے کے قریب بھک آیا۔  
”وہ صاحب کس نمبر میں نہیں ہوئے ہوئے ہیں۔“

”کون صاحب۔“

”گھنی ڈاڑھی والے..... کالی عینک لگاتے ہیں۔“

”وہ.....!“ ویٹر ہنسنے لگا۔ ”تی وہ آج چائے پیتے بغیر ہی پیشاب کر کے چلتے ہے۔“

”کیا مطلب.....!“

”تی وہ روزانہ آتے ہیں..... چائے پیتے ہیں۔ پیشاب کرنے جاتے ہیں اور اسی طرف  
کے دروازے سے باہر نکل جاتے ہیں۔“

”میں سمجھا تھا شاکنہ نہیں رہ جے ہیں۔“

”تی نہیں۔“

”جب سے آتے ہیں۔“

”تمن چار دن سے دکھائی دیتے ہیں۔ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔..... کہنے ان سے کچھ کہنا about / دیکھوں گا۔“  
وہ چلا گیا..... حید نے سوچا چوت ہو گئی۔ وہ یقیناً آگاہ ہو گیا تھا کہ اُس کا بھی تعاقب کیا  
جارہا ہے ورنہ اس طرح خلاف معمول غائب نہ ہو جاتا۔  
ذبر و استی سینڈ وچ لئے اور ایک کپ چائے حلن سے اتاری۔ پھر پاپ سلاک کر کر سی کی  
پشت سے نک گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ”بیت الحکیم“ کی طرف جارہا تھا۔ قلندر عی سے چھیڑ چھاڑ سکی۔ اُس کے  
چڑچے پن کو ابھار کر عجیب قسم کی خوشی محسوس کرتا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ بھی اذیت پسندی کی  
کوئی قسم ہو۔  
چھانک بند تھا۔ اُس نے کال میں کامیابی کی۔ لیکن پھر خیال آیا کہ تھختی میں کوئی خرابی پیدا

دلوں کے یاد داشت وابس آگئی ہے۔ پھر دیکھوں کیا ہوتا ہے لیکن پھر ان کٹوں بیکم کو سوتیلی ماں بھی تو سمجھنا پڑے گا..... لہذا بالکل گول رہو۔ دیکھا جائے گا اور یہ سالا سر جاوید بالکل چند معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس کا بیٹا منور میرا ہم تکل تھا جو کہیں غائب ہو گیا۔ اگر آجائے سالا تو پھر کیسی رہے گی۔ جان کو آجائیں گے سب سالے۔

اس وقت بھی وہ ایسے ہی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔

”منور.....!“ دفعتاً لیڈی جاوید نے اُسے مخاطب کیا۔

”جی.....!“

”اوہ..... تو تمہیں یاد آگیا کہ تم منور ہو۔“

”جی نہیں..... آپ قہقہی ہیں تو پھر منور ہی سکی۔“

”تمہیں میرا اتنا ہی خیال ہے.....؟“

”جی ہاں۔“

”میری طرف دیکھو.....!“

قاسم نے دیکھا اور بدقت اُس سکاری کو روک کا جو اس کے ہونٹوں کی گرفت سے آزاد ہی ہونے والی تھی۔

لیڈی جاوید بڑی شیلی آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی اور ہونٹوں پر اُسی مسکراہٹ تھی..... جیسے جیسے..... اُس نے بوکھلا کر آنکھیں بند کر لیں۔ نہ جانے کیوں اُس کے ذہن میں اُس کی ماں کا یہ جملہ گونج رہا تھا، جو اکثر پہنچ میں اُس کی زبان سے سن چکا تھا۔ کسی کو شنگاہ دیکھنے سے آنکھیں نہ ہوت جاتی ہیں۔

”اُرے باپ رے.....!“ وہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہونٹوں میں بد بدلایا۔

”کیا بات ہے..... منور..... میری طرف دیکھو.....!“ پیدا بھرے لمحے میں کہا گیا۔

”جی غال..... دیکھا ہوں.....“ قاسم نے گز بڑا کر پھر آنکھیں کھوں دیں وہ اب بھی اسی طرح مسکراہی تھی۔

”خدا کرے تم مجھے جلدی پہچانے لگو۔“

”جی غال.....!“

”تم بہت کھانے لگے ہو.....!“ دفعتاً لیڈی جاوید کی مترنم آواز کمرے میں گوچی۔

”نن..... نہیں..... تو غ.....!“ قاسم اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

”میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں..... کبھی اس کے متعلق بھی سوچا ہے۔“

”کھانے قے بعد سوچوں غا۔“ قاسم نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

پھر وہ خاموشی سے کھانے میں مشغول رہے۔

لیڈی جاوید نکھیوں سے اُسے دیکھتی جا رہی تھی۔ روئیاں ختم۔ قابیں صاف اب سویٹ ڈشز کی باری تھی۔ فرای دنیز میں اُن کا بھی صفائیا ہو گیا۔

”اور کچھ.....!“ لیڈی جاوید نے پوچھا۔

”عی عی..... نہیں بس۔ آپ قے یہاں اقبال والوں کی رس طائی نہیں آتی کیا۔“

”نہیں ہمیں دلکی مٹھایاں پسند نہیں..... تم بھی پسند نہیں کرتے تھے۔!“

”اُرے..... ذاہ..... وہ رسم طوہ..... جب شی طوہ.....!“

”جی کہتی ہوں..... پہلی بار تمہاری زبان سے یہ نام سن رہی ہوں۔ مجھے ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم..... لکھ کر دے دینا منگوادوں گی۔“

”لئے دلوں غا.....“ قاسم سر ہلا کر بولا۔

”کھانے کے بعد تم قہوہ پیتے ہو۔“

”اُرے توبہ توبہ..... بلکہ لا حول ولا قوۃ..... اب نام نہ لیجئے گا..... ورنہ مجھے قہوہ جائے گی۔“

”ہائے تم اتنے بدلتے ہوئے ہو منور.....!“

قاسم کچھ نہ بولا۔ اس اول بدلتے ہوئے ہوئے ہوئے ہوئے اختراء ہونے لگتا۔

تھا۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا۔ اپنے طور پر حالات کو سمجھنے کی کوشش کرتا لیکن ابھی تک تو نہیں سمجھ سکا تھا۔ کی بارہ میں چاہا کہ وہ اُن کو اپنے متعلق سب کچھ بتا دے لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہ جاتا کہ کہیں اس دہاکا اور زور دار عورت کی ہم نشی سے محروم نہ ہو جائے۔....

چلتے دے..... وہ سوچتا جب تک چلے چلنے دے..... میں کوئی نہیں سی گزیا تو ہوں نہیں کہ سا۔

جب چاہوں گا ٹھوک پیٹ کر باہر۔! کبھی سوچتا کہہ جیب میں رکھ کر پارے جائیں گے..... جب چاہوں گا ٹھوک پیٹ کر باہر۔! کبھی سوچتا کہہ

”کون لوگ ...!“ قاسم ہمہ تن اشتیاق بن گیا۔

"تمہارے سو تسلی بچا اور ان کے ہمدرد.....!"

”جی میں بالکل نہیں سمجھا۔“

”تم سب کچھ بھلا لے گئے ہو..... اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو معابرے کے مطابق ساری جائیداد سارا کاروبار بالآخر تمہارے سو تینے چھا اور اُس کی اواد کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ مجھے بھی ایک پیسہ نہ ملے گا..... پھر بن یہ سب کچھ تمہارے بیانات کی زندگی میں لٹک ہو گا۔“

”مجھے اس کے بارے میں پوری طرح بتائیے۔“

”تم بچھے جانتے تھے منور..... لیکن میں تمہیں بتاؤں گی شانداری طرح تمہاری یاد داشت واپس آئے۔ جانتے ہو اگر اسے اس کا علم ہو جائے کہ تم اپنی یاد داشت کھو بیٹھے ہو تو کیا ہو گا۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”میں نہیں جانتا۔“

”تمہارے وجود کو فراہم ثابت کرنے کی کوشش کرے گا..... جب تم عدالت میں اپنا نام قائم بناؤ گے تو وہ یہاں تک ثابت کردینے کی کوشش کرے گا کہ سر جاوید کے کبھی کوئی لوگا تھا ہی نہیں۔ اس طرح تمہارے پیارے کے بعد ہم دونوں مغلیٰ کی زندگی ببر کرنے پر مجبور ہوں گے۔“

”کیا دوسرا لے لوگوں نے سر جاوید کے لڑکے کو تھا دیکھا ہو گا۔“

”یہی تدوشواری ہے کہ تم ایسٹ افریقہ میں پیدا ہوئے تھے۔ وہیں پلے بڑھے یہاں کسی نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔“

وہ خاموش ہو گئی اور قاسم مجسم غور و فکر بن گیا۔

”تم مجھے آئی کہتے تھے۔“

”اپ نہیں قہوں گا.....!“ قاسم بے ساختہ بولا۔

“کیوں..... کیوں.....!

”جی مجھے..... یاد نہیں۔“

”یاد ہو یا نہ ہو..... آئندی کرنے میں کام حرج ہے۔“

”میں..... بارج سے۔

“کارخانے۔

”بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ“

”بھر تم مجھے کا کہو گے۔“

”سوچ لوں تو بتاؤں .....!“ قاسم نے کہا اور جیسچی سوچنے لگا کہ اُس کو کیا کہہ کر مخاطب کرتا چاہئے۔ ذارنگ ..... مگر نہیں بھڑک جائے گی۔ سالے منور کی سوتیلی ماں پھر کیا کہوں ..... خود ہی کوئی نام رکھ دوں دیکھا جائے گا۔ واہ پیارے حمید بھائی تم نہ ہوئے ..... ورنہ کوئی اچھا سماں بتاتے ..... پھر اُسے حمید کی یادیاں اور قل قلویاں یاد آئیں ..... قل قلوٹی ..... قل قلوٹی۔“

”میں آپ کو فل فلوٹی کہوں گا.....!“ وہ تھوڑی دیر بعد پڑپڑ لایا۔

یہی جاوید ہنئے گی۔

بھلاں کا تام ہوا۔

لی ہوتے..... آپ سمجھ کر نہیں۔ ہم لوگ سمجھتے ہیں۔ ”

کل بحث

جذب و جذب

تمہاری طبیعت تو نہیں ہے تا.....!“ لیڈی جاوید کے بیک سنبھال ہو گئی۔

لنجی بالکل ٹھیک ہے۔ ”قاسم بھی اُس کی سجدگی رسر ایسہ ہو گا۔

خدا کرے تم جلدی سے اچھے ہو جاؤ۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ میں کتنے بڑا شال ہوا ہوں۔

دُگ تودل سے حاتمے ہیں کہ تمہری بیکھو ہو جائے۔“



”شکریہ۔“ سارہ نے جھلانے ہوئے بجھ میں کہا اور رومال سے کربے تلقنی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ اپنے بکروہ دہانے سے مکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کی نظر پڑی اور جی چاہا کہ مدد پر پھر سید کردے لیکن خاموش بیٹھی رہی۔

ایگل بچ کے ساحل پر اتر کر بس اٹاپ کی طرف چلی تو محسوس کیا کہ وہ نحیک اُسی کے پیچے چلا آ رہا ہے۔

دفتار اسے خیال آ کر بیٹھی وہی نہ ہوا اور اس سے پہلے نقلی ڈاڑھی استعمال کر رہا ہو۔ لیکن آج وہ خوفزدہ نہیں تھی اگر یہی اُس کی اصلی شکل ہے تو پہنکار اُس کی صورت پر اس نے سوچا اور اس خیال پر مکرا پڑی کہ اگر سینڈل انہر کر بہتر جائے تو کسی رہے گی۔ بڑی بات نہیں! ساتھ ہی سور بھی مچانا شروع کر دے کہ پھر اتھا یون کی ہمدردیاں بھی اُسی کی طرف ہوں گی اور چھٹی بن جائے گی اُس صورت حرام کی۔

وہ چلتے چلتے رک گئی۔ لیکن مڑی نہیں۔ اندازے سے اُسی وقت اچاک مڑنا چاہتی تھی، جب وہ قریب بکھنچ کا تھا اُس پاس اور لوگ بھی آجاد ہے تھے اُس سے پشت لینے کا بہترین موقع تھا۔

پھر وہ مڑی اور یک بیک چوک پڑی اور اُس سے بمشکل چھیا سات قدم کے قاطلے پر رہا ہوا۔ لیکن اُس کی ناک.... اُس کے ہونٹ?.... وہ تو.... کیپشن حمید تھا۔

”کار اے اچھے نہیں معلوم ہوتے۔“ وہ قریب بکھنچ کر مکرایا۔

سارہ کی سانس پھول رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا دی۔

”ند وہ کل نظر آیا ہو رہ آج....!“ حمید بولا۔

”میں بھی..... یہی موجود رہی تھی۔“

”یہاں کھڑے ہو کر سوچنے سے کیا فائدہ.... میرے ساتھ آئیے۔“

وہ نہیں چاہتی تھی اس کے باوجود بھی اُس کے ساتھ چل پڑی۔

چکھ دیر بعد اُس سے کہا۔ ”میں لاکھ کو کوشش کروں تب بھی ناٹکر ہے۔“

”کیا جائز....؟“ حمید سننے پوچھا۔

”ناک اس طرح مستقل ہو رہا تھا اور ہونٹ کل جائیں۔“

چھپلے دن بھی وہ نہیں دکھائی دیا۔ آج صبح بھی جب وہ گھر سے نکلی تھی تو اندر یہ رہا کہ وہ گلوکے نکل پر موجود ہوا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آج بھی کسی نے اُس کا تاقاب نہیں کیا تھا۔ دو بیکے تک وہ قلندر کا تادل لکھتی رہی تھی۔ پھر قلندر نے مانگر و فون ہی پر اعلان کیا تھا کہ اب وہ بوریت محسوس کر رہا ہے اس نے کام نہ ہو سکے گا.... وہ چاہے تو مگر جا سکتی ہے۔

پھر وہاں اُس کی موجودگی ہی میں قلندر بندوق اور کارتوسون کی پیٹی سنجھال کر باہر نکل گیا تھا۔ بوریت محسوس کرنے کے اعلان کے بعد وہ ہمیشہ بندوق علی سے ہی بہلاتا تھا۔ اور پھر آج کل تو بلے۔

سارہ نے بادرپی سے ایک کپ چائے کی فرماںکی تھی اور چائے پی کر نحیک تین بیج ساحل کی طرف روانہ ہو گئی تھی۔ لانچ پر ایک ایسے آدمی کے مقابل بیٹھی تھی جس کی ناک اور ہونٹ بے ہنگم نہ ہوتے تو خاصاً لکھ جوان ہوتا۔

ناک کی نوک اور پڑھی ہوئی تھی اور اپرپی ہونٹ بھی سکڑ کر اس طرح اور پڑھ گیا تھا کہ سامنے کے دانت دکھائی دیتے تھے۔ آنکھیں بڑی اور دلکش تھیں۔ اگر پھر یہ کاچھا حصہ پھپالیا جاتا تو کوئی بھی نہ کہہ سکتا کہ اتنی خوبصورت آنکھوں کے نیچے ایسا وہاپت دہنہ ہو گا۔ لباس بھی خاصاً قیمتی معلوم ہوتا تھا اور اسے سلیقے سے پہننا بھی گیا تھا۔

وہ بہر حال اُسے گھوڑے جارہا تھا۔ کبھی کبھی نظریں ملتیں اور وہ دوسری طرف دیکھنے لگتے۔ پھر اُسے اُس پر غصہ آنے لگا۔ اس طرح گھوڑتے ہیں یہ حرام زادے عیسے کچا عیسیٰ کا جائیں گے۔ کب سدھریں گے اپنے بیہاں کے لوگ۔ وہ سوچتی اور تاؤ کھاتی رہی۔ پھر اتفاقاً اُس کا رومال گر گیا۔ اُسے علم تھا اور وہ اٹھانے کے لئے جھک ہی رہی تھی کہ وہ جھکا پھر اگر وہ فوراً ہی سنجھل کر سیدھی نہ ہو گئی ہوتی تو وہ نوں کے سر نکلا گئے ہوتے۔

اُس نے رومال اٹھا کر نہایت ادب سے اُس کے سامنے پیش کر دیا۔

”خیر..... ہو یہ اکثر مغلکہ خیز بھی ہوتی ہیں۔“

”اے آپ ہوبی کہتے ہیں۔“

”یقیناً..... میری ہوبی اس سے بھی زیادہ مغلکہ خیز ہے۔ میں کھمی مارتا ہوں۔“

”سکرائی اور بولی۔“ شرودھات ملی سے ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بیال رکھی تھی..... اتنی سرچڑھی تھی کہ میر پر اُسی کی پلیٹ میں کھاتی تھی۔ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتی۔ دھنٹا ایک بلا رونوں کے درمیان آگیا اور وہ زیادہ تر گھر سے غائب رہنے لگی۔ جلاہٹ میں ایک دن اُس نے اس بیال کو ختم کر دیا۔ پھر گھنٹوں پھوٹ پھوٹ کر روید۔ اُس کے بعد ہے سونار کے بلوں کی خیر نہ رہی۔ روزانہ دو چار مار دیتا ہے۔“

”تفیات کا کیس ہے؟ خیر ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ اُس نامعلوم آدمی نے آپ کا

تعاقب اُسی پوچھ چکھ کے بعد ہی شروع کیا تھا لہذا میرا مغلکہ آپ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا۔ اُس دلچسپی کا تعلق آپ کے خلاف کسی قانونی کارروائی سے نہیں.....!“

”ہے دنوں ہٹ کے سٹنگ روم میں داخل ہو چکے تھے۔ حمید نے کرسی کی طرف اشارہ کی تیک تایی کو نقصان پہنچ۔“ کر کے کھل۔“ تشریف رکھئے۔“

”دھنٹا حمید اچل پر اور بھک کر اُس چیز کو دیکھنے لگا جو اُس کی گردن سے فکرا کر آواز کے ساتھ فرش پر گری۔ پھر سارہ نے اُسے دروازے کی طرف جھستھ دیکھا۔ وہ ہکا ہکا کھڑی اُس چھکدار خیز کو دیکھتی رہی۔ اُس کا رخ کھڑکی عی کی طرف تھا اور اُس نے باہر سے چھکے جانے والے خیز کی جھلک دیکھی تھی۔“

کیپن حمید باہر جا چکا تھا..... وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

”اُسی سرکس کی روشنی کھاتے ہیں ہم لوگ۔“

”نہیں بتائیے..... یہ کیسے ملکن ہے۔“

”ممکن ہے..... تھی تو آپ نے دیکھا تھا۔“ کیپن حمید نے ایک ہٹ کے سامنے رکتے ہوئے کھلا دہ بھی رک گئی اور حمید بولا۔ ”آئیے..... اندر چلئے۔“ اب میرا مغلکہ

آپ میں خاص طور پر دلچسپی لینے پر مجبور ہو گیا ہے؟“

”کیوں.....؟“ وہ چونک پڑی۔

”آئیے..... اطمینان سے باقیں ہوں گی۔“

”اگر میں انکار کر دوں تو۔“

”مغلکے کی دلچسپی ہر یہ دلچسپی جائے گی۔“

”خواہ خواہ مجھے خوفزدہ نہ کجھ۔“

”اُس دلچسپی کا تعلق آپ کے خلاف کسی قانونی کارروائی سے نہیں.....!“

”سارہ بیٹھ گئی مگر الجھن میں پڑ گئی تھی۔“

”پرسوں میں نے اس کا تعاقب کیا تھا..... لیکن وہ ڈاچ جوے کر نکل گیا۔“

”اوہ..... اسی لئے دو دن سے نظر نہیں آیا۔“

”سوہنہ بیٹھ کر آپ کا تعاقب کرنے کی بجائے گرین کی طرف مڑ گیا تھا۔“

”لیکن آپ سے فاکر کیسے نکل گیا۔“

”اکثر ایسا بھی ہوتا ہے..... ہم بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”خیر

چھوڑیے..... آج آپ کی جلدی چھٹی ہو گی۔“

”اکثر ایسا ہوتا ہے..... میرا بس نکلی ہے۔ جب اُس پر بوریت کا دروازہ پڑتا ہے بندوق

لے کر باہر نکل جاتا ہے۔ آج نکل تو بلوں کی شامت آگئی ہے۔“

”شائد میری موجودگی میں بھی اُس دن ایک بیال کو گولی مار دی تھی۔“

”جی ہاں..... اور اب شائے سونار میں ایک بھی بلاز نہ نہ پہنچ گا۔“

## طوفانی سفر

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے۔ مختصر بہن انداز میں ذردوازے کی

”آپ پر رعب ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں..... تاکہ آپ مجھے ہیر، سمجھنے لگیں ورنہ حقیقتاً عالم یہ ہے کہ..... خیر..... ہاں تو میں ابھی آیا....!“

”میں بھی چل رہی ہوں....!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

چھوٹے سے کچن میں امور خانہ داری کے سارے لوازمات سلیقے کے ساتھ موجود تھے۔ سارہ خاموشی سے اُس کا ہاتھ بیٹائی رہی۔ اُس کی سمجھتی ہی میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بولے۔ وہ اسی خبر کے متعلق سوچے جا رہی تھی۔ کس نے پھینکا تھا؟ کیون پھینکا تھا؟ کیا یہ اسی کی حرکت تو نہیں تھی، جو اُس کا تعاقب کرتا رہا تھا؟ مگر کیون؟ اگرچہ خبر کیپن حید کی گردن میں یوست ہو جاتا تو خود اُس کی کیا پوزیشن ہوتی۔ وہ پویس کو کیسے یقین دالتی کہ اُس سے لامع تھی..... اور اب خود کیپن حید کیا سوچ رہا ہو گا۔

”کیا آپ اس واقعہ کے متعلق سوچ رہی ہیں۔“ دفعتاً اُس نے پوچھا اور سارہ نے اعتراف میں سر ہلا دیا۔

”سامنے کی بات ہے؟“ حید مکرایا۔ ”جسے بلوں پر غصہ آسلتا ہے جو کسی آدمی کو کیسے معاف کر سکے گا۔“

”آپ غلط سمجھے۔“ وہ ناخوشگوار لمحے میں بولی۔ ”لیکن کوئی بات نہیں۔“

”آپ کی دانت میں نہ ہو گی۔“ حید نے اپروائی سے کہا۔ وہ کیتنی میں پتی ڈال رہا تھا۔ ”میں کہتی ہوں تاکہ آپ غلط سمجھے ہیں۔“ سارہ کو غصہ آنے لگا تھا۔ حید کی مکراہت تکلیف دہ تھی۔

”بلکہ چاری بھی اس سے لامع رہی ہو گی کہ ٹلندر کچھ بیانی ہے۔“

”آپ میری توہین کر رہے ہیں۔“ سارہ پریش کر بولی۔

”میں ابھی آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا اذراریک سے پیالیاں نکال لیجئے۔“ ”شکریہ اور وہ ادھر جوڑہ رکھا ہوا ہے اُس میں سیندوچ ہوں گے۔ فی الحال اس سے زیادہ خاطر نہ کر سکوں گا۔“

سارہ نے طوعاً و کرہاً و سب کچھ کیا اور پکھ دیر بعد پھر وہ سٹنگ روم میں آئے۔ حید چائے کی ٹرے اٹھانے ہوئے تھا۔

طرف پر ہمیں باہر بھی نکل آئی۔ ہٹ کی جھوٹی سی کپڑاٹ سنسان پڑی تھی۔

پکھ دیر بعد حید نظر آئی۔ چہرے سے صاف طاہر تھا کہ دوڑتا رہا ہے۔

”آپ نے خبر کو ہاتھ تو نہیں لگایا۔“ اُس نے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... کون خدا.....؟“

”پتہ نہیں.....!“

”دکھائی دیا تھا۔“

”دکھائی بھی نہیں دیا۔“

”پھر آپ کہاں دوڑے گئے تھے؟“

”ہر اُس راستے کو دیکھا تھا جو سے فرار ہو سکتا۔ میرا خیال ہے کہ وہ قریب عی کے

کی ہٹ میں جا چکا ہو گا۔“

”پھر.....؟“

”پکھ بھی نہیں..... دیکھا جائے گا۔“

”وہ اندر آئے..... حید نے صرف کھڑکیاں بلکہ دروازہ بھی بند کر دیا۔“ سارہ کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔

”کری نے جان چھالا۔“ حید پھر اسی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ چائے پہنچ گی یا کافی۔“

”می.....!“ سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”اردو میں ترجمہ کرو؟“ حید نے بھولے بن سے پوچھا۔

”یعنی..... یعنی..... یہ خبر..... اور آپ.....!“

”خدا کا شکر ہے کہ شام کی چائے پینے کے لئے زندہ نہیں گیا۔ لہذا اپنی فرصت میں ایکن

فی الحال کوئی طازم موجود نہیں..... ساری چیزوں پکن ہی میں مل جائیں گی..... آپ

بیٹھنے..... میں ابھی آیا۔“

”اُرے اس خبر کو تو دیکھئے۔“

”وہیں پڑا رہنے دیجئے..... چائے کے بعد دیکھیں گے۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“

”اب کیا جائے بھی میں عی اغٹلیوں“ اس نے کہا۔ اور سارہ پیالیوں میں جائے اٹھ لئے۔  
”سیندوچ لجھ۔ مجھے شایی کمایوں کے سیندوچ پسند ہیں۔“  
وہ چپ چاپ جائے پہنچا رہا۔ حید کی باتوں سے موڈ خراب ہو گیا تھا اور اب وہ اس خ  
کے بارے میں بھی نہیں سوچ رہی تھی۔

”یہ ایک نفیاںی مسئلہ ہے محترم!“ حید کچھ دیر بعد بولا۔

”میں کہتی ہوں غلط ہے۔ آپ کوں کر جیرت ہو گی کہ میں نے آج تک اسے اپنی طرف  
دیکھتے ہوئے نہیں پالا۔ نظر ملائے بغیر گفتگو کرتا ہے اور یہ گفتگو بھی صرف کام کے متعلق ہو  
ہے۔“

”میں آپ کے بیان کی تردید نہیں کروں گا۔ لیکن انسانی ذہن کو سمجھنا بہت مشکل ہے  
مجھے معلوم ہے کہ قلندر نے کبھی شادی نہیں کی۔ تجد کی زندگی بسر کرنے والے یا تو د  
داریوں سے گھبراتے ہیں یا اپنے متعلق کسی وہم میں جلا ہوتے ہیں۔ یا بھر بالکل عی...  
مطلوب یہ کہ ضروری نہیں کہ جس مقامی سے ذہنی وابستگی رکھتے ہوں۔“

”مجھے اب جانا چاہئے۔“

”بالکل..... بالکل.....!“ حید سر ہلا کر بولا۔ ”جہاں تک میری معلومات کا تعلق  
آپ سے پہلے اس کی کبھی کوئی سیکریٹری نہیں تھی۔ کیا اس نے اس پوسٹ کے لئے اشتہدا دیا تھا۔  
”می نہیں..... میری ایک سیکلی کے والد کے توسط سے مجھے یہ ملازمت ملی تھی  
انہوں نے کہا تھا کہ قلندر کو ایک سیکریٹری کی ضرورت ہے اور وہ صرف بھلی اور سنکی۔  
واباش نہیں..... انہوں نے کہا تھا کہ وہ اُسے بھپن سے جانتے ہیں۔ طالب علمی کے زما۔  
میں بھی وہ بہت محاط تھا اور دوسروں سے الگ تھلک رہتا تھا۔ میری سیکلی کے والد عمر مدد کے  
”اس کے کلاس فلور ہے تھے۔“

”ملازمت سے پہلے آپ قلندر سے ملی تھیں۔“

”می ہاں..... ایک تقریب کے سلسلے میں سیکلی کے گھر بر ملاقات ہوئی تھی۔ میں لا  
دنوں مختلف بیکھروں پر نیوشن کرتی تھی۔ سیکلی کے والد نے میرا تعارف کرتے ہوئے اُز  
سے کہا تھا کہ میں نیوشن کر کے ایک پورے خاندان کی کفالت کر رہی ہوں۔ غالباً اس کے بعد

”خبر پر کسی قسم کے ثابتات نہیں ملے۔“ کریل فریدی نے کہا۔  
”وہ توبہ نہیں ہے۔ لیکن میں کیا کروں؟“ حید نے نہ اسامنہ بناؤ کر کہا۔  
”کیوں؟“

”ہر پندرہ میں منت کے بعد قاسم کی نیوی کی کال آتی ہے۔“

”لپھر ہم کس سے طیں گے۔“  
 ”اسٹر کے پتائیں ہے..... اسٹر اس وقت ساتویں جزو ہے یہی میں لٹکر انداز ہے۔  
 اسے آگے بڑھ جانچا ہے تھا لیکن اس کے انہی میں کوئی خوبی واقع ہری ہے۔“  
 دونوں کچھ دیر بعد ایگل بیچ پہنچ۔ لیکن جب فریدی اپنی الائچی میں بیٹھنے لگا تو حیدر بوکھلا کر  
 بولا۔ ”کیا مطلب..... کیا اسی پر۔“

”ہاں...!“  
”میرے بس سے باہر ہے۔“  
”کیوں؟“

”اگر یہ کسی وہیل چھلی کے پیش میں پہنچ گئی تو۔“  
”بکومت..... اوھر وہیل نہیں یاںی طائی۔“

”آپ تمہارو خود کشی کر سکتے ہیں..... مجھے مرنا ہو گا تو کافی ہو ڈز کی نہ رہے۔“

”چلو.....!“ فریدی نے گردن پکڑ کر اسے لانچی میں بٹھا دیا۔

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔“ وہ عصیتے انداز میں مچلاتے لیکن لاٹھ اپنے پیچھے چواریں  
اڑاتی ہوئی آگے بڑھ چکی تھی۔ فریبہ کو نے ایک ہاتھ سے اسٹریٹ گ سنبھال رکھا تھا اور  
دوسرے کی گرفت میں اب بھی حسید کی کردن تھی۔

”اُرے ہم غرق ہو جائیں کے.....!“ حید علی چڑا کر دھاڑا۔  
 ”سو نار لکھ تو سندھ پر سکون ہے.....مرے کوئی جاربے ہو۔“  
 ”اور اس بارہ میل کی زندگی پر مجھے آپ کامنون احسان ہونا چاہئے۔“ وہ زہریلے لجھے  
 میں پول۔

”آج تمہیں بتاؤں گا کہ ایڈوچر کس تجھیا کا نام ہے..... زند لباس پہن کر نہاتا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا بھی ایڈوچر ہے، لیکن اُس سے صرف بیکھرے ہی محفوظ ہو سکتے ہیں۔“

”میں تو ہر گز تھیں جاؤں گا..... سونارے آگے ہر گز تھیں بڑھوں گا.....!“  
”سونار میں رکتا کون ہے..... چکر کاٹ کر آگے نکل جائیں گے۔“

Scanned by iqbalmt  
فریدی کچھ نہ بولا۔ بجھا ہوا سگار انگلیوں میں دبائے خلاء میں گھوڑے جارہا تھا۔  
کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ” قادر اور جواد نے اس آدمی کا جو حلیہ بتایا ہے اس میں اور  
سائزہ کا تعاقب کرنے والے کے حلیے میں گھنی ڈاڑھی مشترک ہے۔ ”  
” لیکن اب شاکر وہ ڈاڑھی صاف علی کروے۔ ”  
” اگر واپسی اس کی ذاتی ڈاڑھی رہی ہوگی۔ ” فریدی مسکرا یا۔  
” میں نے جس آدمی کا تعاقب کیا تھا وہ میک اپ ہی میں معلوم ہو تا تھا۔ ”

”خیر چھوڑو..... غالبًا اس لائق کا سراغ مل گیا ہے جس پر قاسم کو لے جایا گیا تھا۔ سراغ بھی مخفی اس بناء پر ملا ہے کہ اس وقت قاسم کے جسم روز بیانہ بدیگ سوت تھا۔“

”دعا دیجے میری حصش کو۔ میں نے ہی وہ سوت اُس سے خرید لیا تھا۔ سرخ رنگ کا سوت جس میں وہ سینکڑوں میل دور سے بالکل واضح نظر آتا تھا۔“

”خدا تم دونوں کے حال پر رحم کرنے۔“

”تو پھر اُس لائچ کا کیا ہوا۔“

خسرو غل گیا ہے..... اور ہم وہیں چل رہے ہیں۔ ”

مکہاں...؟“

”سونار سے چالیس میل دوڑا یک جریے میں۔“

”سونار کے آگے تو بڑی طوفانی لمبڑوں کا سامنا ہوتا ہے..... لانچ کیسے جائیکی ہو گی۔“  
 ”سونار سے کچھ دور اسے لانچ پر لے جایا گیا تھا پھر اسے دیکھ، اسٹریپر پہنچا دیا گیا تھا۔  
 راصل اس اسٹریپر کے کپتان ہی سے یہ ساری اطلاعات ملی ہیں۔ اسٹریپر ساتویں جزیرے سے اسی  
 رفت جا رہا تھا راہ میں اُسے اشادہ دے کر وہ کاگدی کپتان سے کہا گیا کہ لانچ میں مرگی کا ایک  
 ریپل فرشی کی حالت میں پڑا ہوا ہے جسے ساتویں جزیرے پہنچانا ہے..... لانچ طوفانی لمبڑوں کا  
 نابلہ نہ کر سکے گی۔ اسٹریپر سے رسیاں لٹکائی گئی تھیں اور بیہوش آدمی کا اسٹریپر رسیوں سے  
 نمددھ دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ اسٹریپر پہنچا تھا۔ تین آدمی اُس کے ساتھ تھے۔ لیکن ان میں  
 کی اُس طرفے کا نہیں تھا جس کا تذکرہ جواد اور قادر کر چکے ہیں۔“

سونار کے آس پاس متعدد جگئے ہیں۔ بعض کے باقاعدہ نام ہیں اور بعض کے صرف نمبر۔

”میرے خدا..... ایک ہی لہر نہیں ہماری جگہوں سے الہمازدے گی۔“

”اگر ہم تک پہنچ سکی تو۔“

”کیوں.....؟“

”تم اس لائچ سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔ عام لانچوں سے تین گنی قیمت میں خریدی گئی ہے۔ اس میں سیفی کور اور آسیجن ایکٹھنٹ بھی موجود ہے۔ سیفی کور کے اندر سانس لینے میں کوئی دشواری محسوس نہیں کرو گے۔ گیس ماسک موجود ہیں جن سے ہیڈ فون اور ماہیک بھی انجھ ہیں۔ ہم بخوبی گفتگو کر سکس گے۔“

”اور.....!“ حیدر اسامہ بنا کر بولا۔ ”عشق کرنے کی ملاجیت بھی باقی رہے گی ایسے میں۔ سامنے کچھ نہیں نظر آئے گا کیونکہ محبت انہی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں سونار میں ضرور اتریں گے..... تمباکو ختم ہو گیا ہے۔ نیاں خریدوں گا۔“

پھر سونار میں ٹھہر کر انہوں نے تمباکو کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں بھی خریدیں تھیں اور سفر دوبارہ شروع ہو گیا تھا۔

اس بار فریدی نے کسی میکرزم کو حرکت دی تھی اور رانسپرنس پلاسٹک کا سیفی کور لائچ کے کھلے حصوں پر اس طرح حیطہ ہو گیا تھا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی اندر نہ آ سکتا۔

”اب گیس ماسک پہن لو.....!“ اس نے حیدر سے کہا۔

”پہنوں گا نہیں تو کیا اس نامحقول لائچ کو اپنا مقبرہ بناؤں گا۔“

گیس ماسک پہن لئے گئے۔ حیدر ہیڈ فون کے ذریعہ نہ صرف فریدی کی آواز سن سکتا تھا بلکہ اپنی آواز بھی اس تک بے آسانی پہنچا سکتا تھا۔

ابھی وہ زیادہ پریجان لہروں کے خطے میں نہیں داخل ہوئے تھے۔ لیکن حیدر کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی لائچ کو اٹھا اٹھا کر بخڑ رہا تھا۔

پھر یک یہک چاروں طرف دھندی چھاگنی سامنے کچھ بھی نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ ”اوہ.....!“ اس نے فریدی کی آواز سنی۔ ”تم نے سیفی بیٹھ نہیں کسی، جلدی کرو، ورنہ چاروں طرف لا ہکتے پھر دے گے۔“

حیدر نے خود کو جلدی جلدی سیٹ سے جکڑایا۔

## 98 لڑکی

پھر حیدر کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں، آنکھیں بکھونے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ سرشدت

سے چکرا رہا تھا۔ ایسا گھوس ہو رہا تھا جیسے بچھے غیر مرتلی ہاتھ آئتے خلاء میں اچھال رہے ہوں لیکن زمین پر گرنے سے پہلے کوئی اُسے سنبھال کر پھر اچھال دیتا ہو۔ آہستہ آہستہ یہ احساس بھی فتاہ ہوتا گی۔

پھر پہنچنیں کتنا عرصہ گذر جانے کے بعد اُس نے کسی کے ہاتھ اپنے گاؤں پر محسوس کئے تھے اور آنکھیں کھول دی تھیں۔ فریدی اُس پر جھکا ہوا تھا۔ گیس ماسک بھی شائد اُسی نے اتنا تھا۔ حمید نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

”تو ڈی دیر میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔“ اُس نے فریدی کی آواز سنی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ اپنی اُس کمزوری پر اُسے غصہ آنے لگا تھا۔

پکھ دری بعد حالت سنبھل تھی اور اُس نے محسوس کیا تھا کہ وہ اب بھی لاچ کی سیٹ سے جگڑا ہوا تھا۔ اُس نے سیپھی پیٹ کے تموں سے چھکا راحا حاصل کیا۔ لاچ ساتوں جریے کے پر سکون سا حل پر ٹھہری ہوئی تھی۔ لیکن حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بڑی سبک روی سے کسی سمت تیرتی پلی جا رہی ہو۔

”گرم کافی کا ایک کپ طبیعت بحال کر دے گا۔“ فریدی اُس کا شانہ تھپٹھا کر بولا۔ ”اُرے بھی ذرا مسکراو تو... کمال ہے؟“

”ابھی مسکراتا ہوں... ٹھہر جائیے۔“ حمید نے اس طرح کہا جیسے لہ مار دینے کی دھمکی دی ہو۔

”سفر کیا رہ۔“ فریدی کے ہوتوں پر بڑی جاندار مسکراہست تھی۔ ”بہت عمدہ۔ اس کے بعد شائد سفر آخرت کی بھی ہمت نہ پڑے۔“

”بہت اچھے... بہر حال ذہن بجاگ ہی رہا ہے..... بھی بہت ہے فرزند۔“ آپ کی بھی بیڑی کبھی اگزہاست ہو گی یا نہیں۔ ”حید جل کر بولا۔

”وقت ارادی کا ڈا نامو اے کبھی اگزہاست نہیں ہوئے، یاد۔“ ”کیا وہ گرم کافی کا کپ آسمان سے اترے گا۔“

”کیتلی... بیڑ پر رکھی ہوئی ہے..... بس ذرا سی دیر۔“ فریدی نے کہا اور بیڑ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کافی پینے کے بعد بچھے اُسے ایسا یہ محسوس ہوا تھا جیسی جنم جنم کی ٹھکن گرم پانی کے ٹھل سے اتر گئی ہو۔

اس کے بعد پاپ کے ہلکے ہلکے بیش توجہت ہی کی طرف لئے جا رہے تھے۔ فریدی نے اُس سے کہا۔ ”اگر چاہو تو آرام کر سکتے ہو۔.... میں جا رہا ہوں۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ ظاہر تھا کہ وہ اُسی اسٹریٹ کے کپتان سے ملتے جا رہا ہو گا۔ اُس نے سوچا جب یہ حضرت اتنے مہربان نظر آرہے ہیں تو پھر آرام ہی کیوں نہ کیا جائے۔

وہ چلا گیا اور حمید سوچا رہا کہ آخر لایے ہی کیوں تھے جب اُس کا کوئی مصرف نہیں تھا۔ سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دن ڈھل رہا تھا۔ سیٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگا کر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس لامپ کی خصوصیات سے وہ اُبھی تک ناواقف تھا رہا تھد حلالانکیہ کنی باری خود بھی اُسے اسٹریٹ کر چکا تھا۔ ایگلی بیچ سے سونار تک اُسی پر جاتا تھا۔

کیتلی میں پانی ابلجے لگا تھا۔ اُس نے پیالی میں کافی ڈالی اور پانی اٹھ لینے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کی ازادی کی آہستہ محسوس ہوئی اور لاچ ٹھیک ہے گی۔ چند سریلے قہقہے گو نجھے۔ اُس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ یوریشین عورتیں لاچ کی بچھلی نشست پر بیٹھ رہی تھیں۔ حمید انہیں استھانیہ نظر سے دیکھا رہا۔ ان میں سے دو تھیں کے لگ بھگ رہی ہوں گی اور تیری نہ صرف نوجوان بلکہ خاصی دلکش بھی تھی۔

”مخفیہ آئی لینڈ لے چلو۔“ ان میں ہے ایک نے کہا۔

”سیدنگھ ہیون بھی لے چل سکتا ہوں.... لیکن فی الحال موڈ میں نہیں ہوں۔“ وہ بیس پریس جن میں وہ لوکی بھی شامل تھی لیکن تیری کو کسی قدر طیش آگیا اور کھر کھراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”دماغ تو نہیں چل گیا۔ میں تمہارا لائنس ضبط کر دوں گی۔“

”لائنس تو ویسے عناضطہ ہو جائے گا کیونکہ تم تین ہو..... اور یہاں کوئی دوسرا نہیں ہے۔“ اب وہ دونوں بھی سمجھدہ ہو گئیں۔ لوکی چاروں طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”یہ پرانیوں میں معلوم ہوتی ہے۔“

”پرانیوں میں میں کافی کا کپ آسمان سے اترے گا۔“ عصیلی عورت نے آنکھیں نکال کر حمید سے پوچھا۔

”کیوں؟ پہنچا دے گے؟“ اس بار لڑکی نے پرائیوریت اور لگوٹ بھرے بجھے میں پوچھا۔  
”اوو....!“ حمید اپنے قریب کی سمت پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”راستہ بتاؤ۔“

لڑکی اس کے پاس آگئی اور اُس نے اسٹریک گ سنجال لیا۔ انہیں اشارہ ہوا اور لائق  
حرکت میں آگئی۔

لڑکی نے ہاتھ اٹھا کر شرق کی طرف اشارہ کیا۔ وہ دونوں عورتیں آبیں میں گفتگو کرتی  
رہیں۔ ہم اعلوم ہوتا تھا جیسے وہ لڑکی کے وجود ہی سے بے خبر ہوں۔ لڑکی حمید سے گفتگو کرتی رہی۔  
”یعنی تم بہت اچھے آدمی ہو۔“ وہ اپنی کانپتی ہوئی سی متر نم آواز میں کہہ رہی تھی۔  
”یعنی تم تم بہت اچھے آدمی ہو۔“ وہ اپنی کانپتی ہوئی سی متر نم آواز میں کہہ رہی تھی۔  
”سپورٹسمین معلوم ہوتے ہوں۔ مجھے ایسے آدمی پسند ہیں۔ پیا کہتے ہیں وہی آدمی خوش رہ سکتا  
ہے جیسے انعام کی پروادہ ہو۔ مثال کے طور پر میں تمہیں جہنم میں بھی پہنچا سکتی ہوں کیونکہ تم  
فقط آئی لینڈ کے محل و قوع سے ناداقد ہو۔ یعنی بتاؤ تم کہاں سے آئے ہو۔“

”میں مردخ سے آیا ہوں اور یہ کششی اڑ بھی سکتی ہے۔“

”چکھ دن نہ بھرو گے یہاں؟..... کوئی پروادہ نہیں اگر اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔“  
” بتاؤ بھی تو تم یقین نہیں کرو گی۔..... اس لئے کیا فائدہ۔“

لائق سمندر کا سینہ چیرتی آگے بڑھی رہی۔



پکھ دیر بعد حمید نے سوچا کہ فریدی چجزی اوہیزدے گا۔..... سورج غروب ہونے والا  
تھا۔ اگر دن رہے واپسی نہ ہوئی تو ممکن ہے کہ غرق ہی ہونا پڑے کششی رانی کا کوئی خاص تجربہ  
نہیں رکھتا تھا۔

پورے دو گھنٹے ہو چکے تھے انتظار کرتے ہوئے..... وہ فقط آئی لینڈ کے ساحل پر اے  
چھوڑ گئی تھیں۔ لڑکی نے مخصوص رسیلے بجھے میں کہا تھا کہ وہ بہت جلد واپس آ جائیں گی۔

”پرائیورٹ اینڈ کوفینڈ نسل.....!“

”سوری.....!“ وہ لائق سے اتنے کے لئے دوسری طرف مرتی ہوئی بولی۔

”کافی تو چھتی جاؤ..... یہ الہمن او ہم کا خیہت ہے۔“

وہ جلا کر پلٹ پڑی۔ تیوں نے ایک دوسری کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرائیں آنکھوں عین  
آنکھوں میں کچھ اشارے ہوئے اور پھر وہ درخت نادے کر بینہ گئیں۔ حمید نے دوپیا الیاں اور  
نکالیں۔ ان کے لئے بھی کافی بنائی اور سونار سے خریدے ہوئے تیک بکسون میں سے ایک ان کی  
طرف پر ہدا�ا۔ لڑکی کانپتی ہوئی سی آواز میں بڑھی رہی تھی۔

”ہمیں افسوس ہے کہ ہم تمہیں پیشہ ور ملاح سمجھے تھے۔“ ایک عورت بولی۔

”میں تو لاڑکان لمحہ گو کا بھیجا ہوں۔“ حمید نے اکٹھ کر کہا۔

صرف لڑکی بڑھی۔ وہ دونوں الکی سنجیدگی سے حمید کو دیکھے جادھی تھیں جیسے سمجھنے  
کی کوشش کر رہی ہوں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔

کچھ دیر بعد ان میں سے ایک بولی۔ ”ہمیں فتحہ آئی لینڈ جانا ہے۔۔۔ اور پھر رات سے  
پہلے واپس بھی آ جانا ہے۔۔۔ کوئی لائق نہیں مل رہا ہے۔“

”میں نہیں جانتا کہ فتحہ آئی لینڈ کہاں ہے۔۔۔ ورنہ پہنچا دیتا اور واپس بھی لاتا۔“

”ہم تمہیں راستہ مل سکیں گے۔“ لڑکی بولی۔

دفعتا حمید کو اپنی حمافت کا احساس ہوا۔ خواہ مخواہ دعوت دے بیٹھا ہے۔ اب اگر جانا ہی  
پڑا تو قادر ہارڈ اسٹون واپسی پر لائق کی گشادگی کو نہ جانے کس نقطہ نظر سے دیکھیں اور کیا  
کر گذر دیں۔

اُس نے گردن پچانے کے لئے ایندھن کی کمی کا بہانہ تراش لیکن وہ شامکہ سمجھے پہلی تھیں  
کہ حمید ان اطراف کے لئے اجنبی ہے اس لئے ایک پوچھ ٹیکھی۔ ”انداز کتنا ایندھن ہو گا۔“

”بھنکل میں باعثیں میل نکل سکیں گے۔۔۔ میرا ساتھی ایندھن کے لئے گیا ہے۔“

”ارے تو کام چل جائے گا۔ پائچ میل آتا اور پائچ میل جاتا۔۔۔ وہ رہا سانچے۔۔۔ شامکہ  
تم پہلی ہی بار ادھر آئے ہو۔۔۔ کہاں سے آئے ہو۔“

حید خندی سائنس لے کر مردہ سی آواز میں بولا۔ ”اب تو شکار پورہ سے آلمانیہ لے لے“

کی روپورت ویرچ کراوی ہوئے۔ بڑا اگر ملک کے بڑے نہ رہے۔ اللہ ... دیکھیں  
کہ میں بے حد شرم بندہ ہوں۔ لیکن اب تک اسے ادا کرنے والے نہ ہیں۔ میں اس  
کو تو تمہارا ازادہ بھی واپسی کا نہیں تھا۔ اس سامنے پڑھتا ہے۔ پڑھتا ہے۔  
”قطیعی نہیں۔“ ایک لیکن ابیں واپسی کی کمزور ہو گئی۔ ”جسے ہے۔ جسے ہے۔“

”کل دیکھا جائے گا۔“

”یہیں فتحم آئی لینڈ میں رہتی ہو یا۔“ رہا۔ ... میرا تھاکر کے باتیں  
”اے۔“ ان پر لیکن لیکن لیکن لیکن لیکن لیکن میں بھی شب بائی ہو شکنگی دی میرا تے پیاوہاں کی  
سائید ہوں میں مقیم ہیں۔ شامد قم نے ذکر شایوڑا مہربن نقیبات کا نام نہا ہو۔ وہ نہیں کے  
باشدے ہیں۔ میری مال اپنی تھی۔“

”اے۔“ اسی لئے تو تمہاری آنکھیں ذکر کرنے مجھے غرہن لئے کی شامیں بیاد آئی تھیں۔ الحمد  
کے درستخیل یاد آئے تھے جن پر شکن کی جھوٹ پڑتی ہے اور شام نے کئے اور ہندوستانی جنہیں چو جنے  
ہوئے تھک دراؤں میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ ”دعا ہے۔“ دعا۔ ... دعا۔ ... دعا۔ ... دعا۔ ... دعا۔  
”مپاس پر نظر رکھو یارے شاعر۔... ورنہ کہیں اور جانکیں گے۔“ وہ پڑی ایسا۔“

”اب میں تمہاری کھڑکی کے نیچے اشار لائیں سیرے نہ کیا کرو۔“ گذشتہ ان الحال سعاد

ہر منہت کے لئے گیا ہو یہی تھی۔ میرا اسی اذان پر بیانیہ تھا۔“ تھا۔“

”میں“ تھا تو تم کون ہو۔“ بہتر دلچسپی اور معلوم ہوئے ہو یعنی قم نے ابھی یہک اپنا نام

نہیں تھا۔“ جس نہ ہے، ملک نہ ہے، دنیا نہ ہے۔“ میرا بیک الالہ۔“ ملک نہ ہے،

بہتر۔“ اور غالباً قم اپنا پتہ بتا پکی ہوئی۔“ میرا بیک الالہ۔“ ملک نہ ہے، دنیا نہ ہے،

بہتر۔“ میرے کئی نام ہیں۔“ ایسا تو پھنس پڑی۔“ شریعت بندہ اختر کہتے ہیں۔ مگر ایسا پور کیا

کرتی تھیں۔ بڑی اچھی تھیں۔ میں بالکل بھروسی تھی۔ تھی جب ان کا مقابلہ ہوا۔“ نہیں جھیلنی

کے پھول پسند تھے۔ ہمارا نے پائیں۔ باع۔ میں چاراؤں طرف مصلن کی۔ سلیں۔ بھروسی رہتی

تھیں۔ میں جب بھی ان کا چہرہ یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ تو جھمیلی نے پھولوں کا بڑا سا پکھا

ڈکن میں لہرا کر رہ جاتا ہے۔ ان کے خدا خال جھیں یا وہ آتھتے۔“ ملک نہ ہے۔“ ملک نہ ہے۔

”مجھے افسوس ہے کہ یہ غناک تذکرہ نکل آیا۔“ حمید نے معموم لمحے میں کہا۔“

پہاروں بیٹر فرہ۔“ نہ پہلا ہوا تھا اور حمید کے فرشتوں کو بھی سیوچھے آئی لینڈ کی سمت  
بڑے بھیں، تھی تھی۔ وہ تھے آئی نی ریلی آواز کے نزد وہ میں سخنوارہا تھا اور سیہ پیڑ بھی ڈہن میں  
تھا۔“ اس نہیں کی پہنچا کیا تھا۔“

”لیکن نہیں میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔“ وہ پوری شیں سوریاں یقیناً چوٹ  
کرے۔“ اگر وہ ماہی کی بھی بات نہ کر تھی تو وہ ہرگز تیار نہ ہوتا۔

روشنیوں کمال،“ سکھ لے گا۔ پھر اس نے سوچا کیوں نہ کوئی ایسا آدمی علاش کیا  
جائے۔“ مل معاہ دش نے ساتھ جانے پر رضامند ہو جائے۔

لائق سے ترزا۔“ دل پر بہترے لوگ جل رہے تھے۔ تھوڑے عی فاصلے پر مانی  
گیری کی ایک کشی جاں پسکا۔“ ہی تھی۔“ اس نے سوچا اسی کشی کا کوئی آدمی تیار ہو جائے تو  
کیا کہنا۔“ اندھرے میں بھی سیوچھے آئی لینڈ تک رہنمائی کر سکے گا۔

وہ کشی کی طرف بڑھ۔“ رہا تھا کہ دفعتاً ہی یورپیشن لاکی تہاد کھائی دی جو اس کے  
تریب پیٹھ کر رہنمائی کرتی رہی۔ اس نے شانے سے ایک چرمی تھیلا لکار کیا تھا اور جیزی۔  
سے اسکی طرف آرہی تھی۔

حمدہ رک گیل

”قریب آکر ہائیتی ہوئی بولی۔“ مجھے افسوس ہے تمہیں انتقال کرنا پڑا چلو۔“

”رنے بنے تکلفی سے حمید کا با赫 پکڑا تھا اور لائق کی طرف سکھنچ رہی تھی۔  
لائق میں آبیٹھے۔ لوکی بولی۔“ سورج غروب ہونے والا ہے۔.... جلدی سے نکل

چلو، درستخیل ہرے میں اندازہ کرنا شولہ ہو گا کہ کس طرف لینڈ کرتا ہے۔“

”وہ دونوں کہاں رہ گئیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”تمہیں یو تو قوف ہتھا تھا۔ اگر واپسی کے متعلق بھی نہ کہتیں تو تم ہرگز نہ آتے  
مجھے بھی واپس نہیں آتا تھا لیکن میں نے سوچا کہ یہ ایک گھیا حرکت ہو گی، کیوں ہے؟“

”بالکل۔.... اب مجھے کہنا پاہنے کے تم بہت اچھی لوکی ہو۔.... حقیقت یہ ہے کہ میں  
سفری سمت پر وصیان نہیں دیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کدھر جاؤ۔.... میرا ساتھی نہ  
بانتے کیا سورج رہا ہو گا، ان اطراف میں ہم پر دیکی ہیں۔.... ہو سکتا ہے اس نے لائق کی گشادگی

”نہیں انہوں نے سی سائینڈ ہیون میں ایک کمرہ لے رکھا ہے۔ وہیں سے روزانہ اس تاجر کی ہزاری انہیں اس کے گھر لے جاتی ہے۔“  
 ”بڑا دلچسپ کیس ہے.....!“ حمید نے کہا۔ ”تمہارے پیپا اور کیا بتاتے ہیں۔“  
 ”وہ کبھی کچھ نہیں بتاتے بس روایتی میں اس کا تذکرہ کر دیا تھا۔ اب پوچھتی بھی ہوں تو ہوں ہاں کر کے ٹال دیتے ہیں۔“

حمد خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ قادر اور جواد نے بھی تو سبھی بتایا تھا کہ وہ ایک ایسے آدمی کی عگرانی پر مامور کئے تھے جو اپنی پاداشت کھو بیٹھا تھا۔ تو اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ بھی محض اتفاق تھا کہ یہ لڑکی اس طرح ہاتھ لگ گئی لیکن کہیں یہ بھی کسی قسم کا جال ہی نہ ہو۔ لڑکی اس کی شخصیت سے واقف ہوا اور اسے بھی کسی الجھاوے میں ڈالنا چاہتی ہو۔

”خوبی..... غمناک نہیں۔ اُن کے متعلق سوچ کر عجیب سی لذت محسوس ہوتی ہے..... کتنا جوان اور حسین چہرہ تھا۔ اب ہو تم تو بوزھی ہو چکی ہو تم۔ مجھے پڑھاپے سے خوف آتا ہے اور اپنے پڑھاپے کے تصور ہی سے نفرت محسوس ہوتی ہے..... اچھا ہو جو جوانی ہی میں مر گئیں۔“  
 ”اچھی بات ہے..... میں سیونچہ آئی لینڈ پنج کر تھیں مارڈالوں گا۔“  
 وہ ہنس پڑی۔

”اب تم مجھے اپنے متعلق بتاؤ.....“ اس نے کہا۔  
 ”ایک آوارہ آدمی ہوں۔ آج یہاں کل وہاں..... دلیں دلیں کے گیت اکٹھا کرتا ہوں۔“  
 ”تو..... تم بھی میرے پیاہی کی طرح خبیث ہو۔“  
 ”کیوں..... وہ کیا کرتے ہیں۔“

”بس ماہر نفیات ہیں۔ نفیات میں آسکفورڈ سے ڈاکٹریٹ لی تھی۔ وہ کہتی ہوں اگر ہمارے پاس مائی گیری کی ایک کشی نہ ہوتی تو ہم بھوکوں مرجاتے۔ آج کل البتہ انہیں ایک دلچسپ کیس مل گیا ہے۔ معادضہ بھی معمول مل رہا ہے۔ پانچ سوروپے یومیہ مگر ہر سے نہ اسرار لوگ ہیں۔“

”پر اسرار کیوں۔“

”ایسٹ افریقہ کے کوئی تاجر ہیں۔ اُن کا لڑکا اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ افریقہ کا نام ہی نہ اسرار ہے۔ افریقہ کے نام پر میں ہمیشہ عجیب سے خوابوں میں کھو جاتی ہوں..... پیا کہہ رہے تھے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کی دوسری شادی کی بناء پر یادداشت کھو بیٹھا ہے..... باپ کی بیوی کو اُن کی بیٹی کہتا ہے..... اپنا نام کچھ اور بتاتا ہے۔ پیا کہتے ہیں کہ ایسا دیو صفت آدمی میں نہ آج تک نہیں دیکھا..... پورے پورے کہرے تھا کھا جاتا ہے..... زیادہ طویل القامت آدمی اتنے موٹے نہیں ہوتے جتنا موٹا وہ ہے۔“

”حید کی ریڑھ کی ہڈی میں سنتی دوڑگی۔ دل کی دھڑکن بھی کسی حد تک بڑھ گئی تھی۔“  
 ”اس کی پچھلی ہشری معلوم کر کے اُس کی مناسبت سے یادداشت واپس لانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ ایک ہفتے سے سیونچہ آئی لینڈ ہی میں مقیم ہیں۔“  
 ”انہیں لوگوں کے ساتھ۔“

## شامت



it's all about Urdu

شام کے سارے چہ بچے تھے۔ فریدی تھک ہار کر جریرے کے پولیس اسٹیشن میں آبیٹھا تھا۔ حمید کی افادہ طبع سے بخوبی واقف تھا اس لئے پریشان تھی۔ سوچ رہا تھا کہ کہیں اپنی ناک اوپری رکھنے کے لئے تھا و اپس نہ چلا گیا ہو..... اپنے دفتر میں بھی فون کیا تھا اور بھری پولیس کو بھی اطلاع دے دی تھی۔ کماٹر نے ٹرانسیمیٹر پر مطمئن رہنے کو کہا تھا۔ اس نے بتایا تھا ایک بڑی کشی لانچ کی جلاش میں روانہ ہو چکی ہے۔

اس سے قبل وہ اُس اسٹریک کے پکستان سے ملا تھا کافی دیر تک سوالات کی پوچھاڑ کر تارہ تھا۔ لیکن وہ اس سے زیادہ نہ بتا سکا کہ بیویوں آدمی کو اُس کے ساتھی اُتار لے گئے تھے۔ ساحل کے کچھ مزدوروں نے بھی انہیں دیکھا تھا۔ لیکن وہ بھی نہ بتا سکے کہ وہ اُسے کہاں لے گئے تھے۔  
 بہر حال قاسم اسی جریرے میں لا یا گیا تھا۔

.....

”سی سائیڈ ہوں میں قیم ہے۔“

”چوہم بھی وہیں چلیں۔“ فریدی نے کبھی قدر جوش کا مظاہرہ کیا۔

”اویار ہے ہیں مجھے۔“

”اس قابل بھی نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کبھی قدر جوش کا مظاہرہ کیا۔

”جید پاپ سلاگنے لگا۔“

فریدی نے سخت لمحہ میں پوچھا۔ ”تم نے اتنے اپنے متعلق کیا بتاتے ہے۔“

حمد نے پوری کہانی دھرائی اور خیریہ انداز میں ان کی طرف سمجھنے لگتے۔

”میرا خیال ہے جو اونے بھی یاد رکھتے ہیں کھوئے ہے کے متعلق پچھہ کہا تھا۔“

”میں ہاں..... کوئی نہ اس ذاکر سے ملیں۔“

”جلد بازی نہیں۔“ پھر سکتا ہے کھیل بگلامانے۔ پھر یہ ضروری نہیں کہ وہ قاسم ہی

ہو۔ لڑکی کے بیان کے مطابق وہ اپنی ایام اپنے اور اپنا تباہ ہے۔ لیکن یعنی وہ نہیں جعل ہوتے وہ

لوگ اپنے پاکراتے ہیں۔ کیا اس نے تھا کہ وہ اپنا تباہ کیا تباہ ہے۔“

”نہیں..... اسے نام یاد نہیں آیا تھا۔“

”خی..... تم پھر کھدا دیر آرام کرو۔“ میں بھی آیا۔

”کہاں پڑا کھانے چاہے؟“

فریدی مزید کچھ کہے بغیر لامگی پے اتر گیا۔ حید نے دوسرا بیت بھی روشنی کر دیا اور پھر

پر کافی کے لئے پانی رکھنے لگا۔

وہ سوچ رہا تھا کیسے رات کہاں گذراتی ہے۔

”فاختا یا ہر نے اسی آوازیں آئیں جیسے کوئی

لامگی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”کوئی ہے؟“ حید نے گوئیں آواز میں پوچھا۔

”تم زندہ ہو یو قوف شاعر.....!“ مترنم ہی آواز آئی جو ویرایی کی ہو سکتی تھی اور پھر

وہ سرے ہی لمحے میں وہ سائنسے بھی آگئی۔

”تم..... تم واپس کیوں آگئیں.....!“ حید نے پوچھا۔

”گئی کب تھی..... اور مجھیروں کی کشتی کے پیچھے چپ گئی تھی۔“

”لاؤں ایکن اب قائم اس کے ذہن سے نکل چکا تھا اس کی جگہ حید کے متعلق تشویش اور جھنجڑاہٹ نے لے لی تھی۔“

ٹھیک پوچھے سایت بیوک ایشٹن ایچارج نے اطلاع دی کہ لامگی سماں پر موجود ہے۔

ڈیوٹی کائیں ٹولوں نے اس پر قبضہ کیا ہے۔ پاکستان کے ساتھ ایک یورپیں لڑکی بھی ہے۔ پاکستان

اپنا نام بتانے سے انکار کر رہا ہے۔ اس نے لڑکی کو بھی کچھ بتاتے ہیں تو کوئی دیا جائے اسیں اسے

ہے۔ اسی فریدی خانہ بھی پسے اٹھا اور ریڈیو کار میں بینہ کر تباہی میں آیا۔

”حمد لڑکی کیست لاٹھی میں ملا۔“ پار ڈیوٹی کائیں ٹولوں بھی یہ موجود تھے۔ فریدی کے انہیں

بازہ جائیں کو کہا۔“

”تم نے دیکھا۔“

”تم نے دیکھا۔“

”لڑکی کے ساتھ اپنے کہا۔“

”رپورٹ درج کرو گی۔ اب تم سی سائیڈ جاؤ۔“

”لڑکی نے فریدی کے سمجھہ چہرے پر نظر ڈالی، جو حید کو گھورے جا رہا تھا اور چپ چاپ

لامگی سے اتر گئی۔

”بڑی نیک بھی ہے۔“

”کہاں گئے تھے۔“

”فصحح آئی لیند.....!“

”لڑکیوں کو کہا۔“

”لڑکیوں کی اختیار کرو۔“

فریدی نے اثبات میں سر ہالیا لیکن نظر بدستور حید نے چہرے پر لامگی رکھی۔

”یہ غلط فہمی کیوں نکر ہوئی کہ دوسری بیانی تمہارے لئے بنا رہا ہوں۔“

”میں جا رہی ہوں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

وہ لامی سے اتر گئی اور حید ساحل کے ملکے اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑتا رہا۔ پھر اس نے تھا کافی پی اور پاپ کا تمباکو ختم کر کے اوٹ گئے۔ سارا دن بے کلی مصروفیات میں گدرا تھا..... اور اس وقت سمندر کی سوت سے چلنے والی خنک اور نمک آکوڈ ہواں نے پورے جسم میں درد پیدا کر دیا تھا۔ بھی دل چاہتا تھا کہ لمبی تاریخ کرسو جائے۔

اچانک ساحل کی طرف سے شور اٹھا..... اور اوٹ گئتا ہوا ذہن فوری طور پر اس کی قوعیت کو نہ سمجھ سکا۔

پھر قریب ہی پانی میں ”چھپا کا“ سا ہوا، جیسے کسی نے چھلاگ لگائی ہو۔ حید آواز کی سوت بعد آنکھیں نکال کر ناخنگوار لجھے میں بولی۔ ”تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔“

”دیکھنا چاہتی تھی کہ اب کیا ہوتا ہے۔ تمہارا ساتھی بڑے غصے میں تھا۔ خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے..... اس کی آنکھوں سے ڈر لگا تھا مجھے۔“

”ہو سکتا ہے..... وہ جلد ہی واپس آجائے۔“ حید خندی سانس لے کر بولا۔ ”تم جاؤ..... ورنہ تمہارے پیلا.....!“

”اوہ نہ.....!“ وہ جلدی سے بولی۔ ”آنکھیں کیا پڑتے کہ میں واپس آگئی ہوں کیا تم لوگ رات کو تینیں لامیں قیام کرو گے؟“

”خدا جانے..... میرا ساتھی مجھے سے زیادہ کریک واقع ہوا ہے لیکن اسے تم سے قطعی دلچسپی نہیں۔“

”ارے تو کیا میں.....!“ وہ جھپٹلا کر بولی، مزید کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر تھوڑی دیر بعد آنکھیں نکال کر ناخنگوار لجھے میں بولی۔ ”تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔“

”ایک بیوقوف شاعر..... جو ایکسپورٹ اپیورٹ کا برونس کرنے کی بجائے الٹی چیزوں کی علاش میں رہتا ہے جن سے اس کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔“

”نہیں..... تم شائد سمجھتے ہو کہ میں کوئی قلمت ہوں.....!“

”ارے بابا مجھے کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تم جاؤ یہاں سے۔ تم لوگوں کی بدولت یونہی کافی پریشان ہو چکا ہوں۔ میرا ساتھی آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اب پولیس والے اس سے اپنی محنت کا معاوضہ وصول کر لیں گے۔“

”اوہ.....!“ وہ یک بیک نرم پڑ گئی۔ ”مجھے بے حد افسوس ہے۔ وہ دونوں تو چین سے بیٹھی ہوں گی لیکن مجھے کیسی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اسی نے بھی اپنے چہرے پر زبردستی جھلائیت کے آثار پیدا کر لئے تھے۔ ویرا اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔

حید نے کافی بنانے کے لئے پیالیاں نکالیں لیکن اپنے معنوی تغیر آمیز رویے میں کوئی تبدیلی نہ ہونے دی۔

”نہیں میں کافی نہیں ہوں گی۔“ ویرا نے غصیلے لجھے میں کہا۔

قاسم کی بن آئی تھی۔ ہر وقت لیڈی جا ویڈ کا ساتھ رہتا۔ اب وہ اس پر بھی مصر نہیں تھی کہ وہ اُن سے آئٹی ہی کہے۔ ویسے اس کے گوبر کے ذہر جیسے ذہن میں بھی یہ خیال ہو کر کچھ نہ لگا تھا کہ وہ حق مجھ اُن سے بہت چاہتی ہے، ایک دن اس نے سرگوشیوں میں اس سے کہا تھا۔ ”چاہے جو کچھ کرو..... لیکن اپنے پیلا کے سامنے میرا احترام ہی کیا کرو۔“

اور قاسم نے سعادت مندان انداز میں سر بلاؤ کر کہا تھا۔ ”می بہت اچھا۔“

ویسے وہ سوچتا رہتا تھا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ اس سامنے پیلا کے سامنے احترام کیوں کروں۔ ہائے کیسے مکراتی ہے..... کیسے دلار کرتی ہے میرا..... لیکن اس ذہنی جنت کے ساتھ ہی ساتھ ایک خلش بھی ہی اور یہ خلش تھی بوڑھے ڈاکٹر کی بکواس۔ ہر چند اب



allurdu  
it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

allurdu

it's all about Urdu

اس نے خود کو قاسم کہنا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ذر تباہ اپنے اوبٹ پنگلہ دینکن کی کج خیالی تھے۔

پتہ نہیں کس وقت منہ سے کیا انکل جائے اور اس مگری سی آئی۔ لیکن تباہ ہو گئے۔ ابھی تو اچھا ہے کہ سالے مجھے منور جلوید سمجھتے ہیں۔ اس بوڑھے ڈاکٹر سے کیسے چھپا چھڑایا جائے۔ اس وقت بھی وہ بڑی مسلط تھا اور کمرے میں لپڑی جاوید کی بجائی خود بڑی جاوید موجود تھا۔

لیکن اکثر ایں نے منور جاوید کے پسندیدہ مشاعل کے بالائے میں پوچھ رہا تھا: «لپڑی ساندھ میں کیسے ہے؟» یہ پتیریں تیراں تھاں کر رہے تھے۔ اسر جاوید نے مختدی سانس لے کر کہا: «جمیل میں؟» لوہے کی گیند پھینکتا تھا اور غوط لگا کر ابے تھے سے نکال لاتا تھا۔ تیراں رہا۔ لیکن اس کی وجہ سے جاوید کا

چہرہ بیکار ہوا۔ کیوں آپ غوط لگانے میں لے؟ ڈاکٹر نے قاسم نے پوچھا۔ «میں رہا۔ ہے؟

«امے مذخ کرتے ہو۔ میرا اڑیل ڈول دیکھو۔ اغڑاپ سے وہیں روہنے جاؤں گا۔» قاسم نے بھجنبلکر کہا۔ یہ تھا جب تھیں یوں تھیں یہ کارہے ہیں۔ میں ان کا نہیاں دیتا ہیں تھیں تھوں۔

یوں سکتا تھے۔ فاکٹری سرہلا کر بولا۔ لیکن اگر کوشش کریں تو ابھی تیراں میں سکتے۔ میرا خیال ہے کہ یونہی تقریجاً تیر نا شروع کیجئے۔

دوپار پتوار کونو میرے تیر نے لگوں گا۔ قاسم کا غصہ تیز ہو گیا۔

«ہوش میں آؤ بیٹے۔! اسر جاوید نے زم بجھے میں کہا۔

«میں قہتا ہوں اس بوڑھے سے میرا پیچھا چھڑا۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ یہ کیسا ڈاکٹر ہے کہ کچھ اور انجشن دینے کے بجائے مجھے تیر نا سکھانا چاہتا ہے۔ تم نے بھی غلط سنایا ہے میں جمیل کی تھے سے لوے کی گیند نہیں نکالتا بلکہ اپنے منہ سے نکال سکتا ہوں۔ غصے کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آواز بند ہو گئی تھی۔ دفتاری یہی جاوید کرے میں داخل ہوئی اور تیز لیجھ میں ہوئی۔ کیوں آپ لوگ اس کا دامغ خراب کر رہے ہیں۔ کیا بالکل ہی اُن سے باہمی وصولی ہے جاہے ہیں۔» پھر اُس نے قاسم کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف گھستی ہوئی بولی۔ «تم چلو میرے ساتھ۔»

قاسم چپ چاپ دروازے سے گذر گیا۔ ریواری میں مڑکر دیکھاں میں سے کوئی ان کے پیچے نہ دکھائی دیا۔

”واکی..... یہ لوگ مجھے پاغل بنادیں گے۔“ وہ بڑیا۔

”ماربے..... میں بھگاتی ہوں اس مردوں اور کٹر کو بے کل سے رکھنے تھے پائے گا....“

”جور..... جور..... صورت حرام ہے سالاکہ۔“ پس اپنے سارے الائچے کا

لپڑی لپڑی مسندی۔ لامیں نہیں تھے اسی وجہ سے۔

”جور..... جور..... لامیں نہیں تھے اسی وجہ سے۔“

”جور..... جور..... لامیں نہیں تھے اسی وجہ سے۔“



”جور..... جور..... لامیں نہیں تھے اسی وجہ سے۔“

”جید نے تاریخ اٹھا کر روشنی ڈال۔۔۔ وہ کوئی آدمی تھا۔۔۔ اسی معلوم ہو رہا تھا جیسے

غرق ہوئے رئے پچھے نکے لئے لامیں تھے جیر الدار ہاں ہوتے ہیں۔۔۔ تیراں ہوئے۔۔۔“

”جگرا نہیں۔۔۔“ جید نے اسے آواز دی۔ ساحل کی طرف سے اب بھی سور شناختی

دے رہا تھا۔ دھنگا اس نے مخصوص کیا کہ اسے خود اپنی ستر ناہوں الائچے کی طرف اترنا چاہئے۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ چلے آؤ۔“ جید نے دل بڑھانے کے لئے لامیں

وہ جھپٹ کرنے صرف لامیں پر چڑھ آیا بلکہ سیدھا اٹھے جسے کل طرف دوڑ گیا۔ پھر قبل

اس کے کہ جید کچھ کہتا اس نے ابھی اشارت ہوئے تھیں اسی آواز سیں اور لامیں اسے خیزی ملئے تھے تباچک

لیا اور ایک سمت اڑتی چل گئی۔۔۔“ تیراں نہیں ہٹھا ہیں۔۔۔ جس لامیں

”درے۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو تم۔۔۔!“ وہ بوكلا کر اسٹریگ کی طرف اچھلا کا اس نے

دکھا کر وہ آدمی غوط خورنی کے لباس میں ملبوس تھا۔ اس نے شات کا گوشہ کی تدریخ اٹھا کر کہا۔

”مہریاں آدمی۔۔۔ رحم کرو۔۔۔ ورنہ تو وہ مجھے گولی مار دیں گے۔۔۔“ تیراں نہیں اسے سمجھا۔

”کون۔۔۔!“ تیراں نہیں اسے سمجھا۔۔۔ وہ اپنے بھتیجی، وہ اپنے دردناک اٹھا تھے۔۔۔“

قلل اس کے کہ وہ جواب دیتا۔۔۔ بات حید کی سمجھیں آئی۔ ایک لامیں اس کی لامیں کا

تعاقب کر رہی تھی۔۔۔ اس کی نہیں لامیں کی شعاعیں اس کی اپنی لامیں پر پڑ رہی تھیں۔ اس

نے مڑ کر اس آدمی کی طرف دیکھا اور بھر اپنیا۔۔۔ میرا پر بھتیجی نظر ڈالی۔۔۔ وہ بنت رنج رفتار برھا

جارہا تھا۔

”تم اور بھیک اُسی وقت پچھلی لائچ سے فائز بھی ہوتے تھے۔  
”یا اگر تمہارے عی گولی لگ گئی تو کیا ہو گا۔“

”مقدور.....!“ جواب ملا۔

لائچوں کی دوڑ جاری رہی۔ دفعٹا معلوم آدمی نے کہا۔ ”میرے قریب آؤ دوست! اب میں نہیں بیٹھ سکتا۔ قبل اس کے کہ وہ مجھ پر ہاتھ ڈالیں میں ایک چیز تمہارے حوالے کر دیا چاہتا ہوں۔“

حید اُس کا چہرہ دیکھ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اُس نے اندر کے بلب بجھا کہتے ہو۔ ”جواب میں ایسا زور دار گھونسہ کپٹی پر پڑا کہ آنکھوں میں تارے نایج گئے۔

پھر سر پر بھی کسی وزنی چیز کی چوٹ پڑی اور ذہن پوری طرح تارکی میں ڈوب گیا۔

”ام مق آدمی..... آگے طوفانی نہروں کا سامنا ہو گا.....“ اُس نے جھلا کر کہا۔

”آن کی گولی سے نہیں مرنا چاہتا چاہے ڈوب مروں۔“ جواب ملا۔

دفعٹا پچھلی لائچ سے پے در پے دو فائز ہوئے۔

”ارے سمتیا اس کراؤ گے میری لائچ کا۔“ حید نے چیخ کر کہا۔

”فکر نہ کرو..... سارے نقصانات کا معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔“

حید اُس کا چہرہ دیکھ لینے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اُس نے اندر کے بلب بجھا دیئے۔ ساتھ ہی اُس نے اُس کی غراہت بھی سنی۔

”دیکھو..... اگر تم نے مجھ سے الجھنے کی کوشش کی تو ہم دونوں ہی کو غرق ہونا پڑے گا

بہتر ہی ہے کہ چپ چاپ بیٹھے رہو۔“

”وہ تو دیے بھی غرق ہوں گے۔“ حید جھلا کر بولا۔ ”آگے خطرناک نہروں سے سابق

پڑے گا۔“

”فکر نہ کرو..... ان اطراف کا سمندر میرا چھانا ہوا ہے..... اسکی کوئی بات نہ ہو گی۔“

”تم ہو کون؟“

”ضروری نہیں کہ تمہیں یہ بھی بتاؤ۔“

”تمہاری آواز کچھ جانی پچانی معلوم ہو رہی ہے۔“

”یہ اور نہ اہے..... کیا تم مجھے پیچاں سکتے ہو۔“

”کوشش کروں گا۔“

”یقین کرو، میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہا..... البتہ جو لوگ میرے پیچھے ہیں

محروم کی ایک بہت بڑی نوٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔“

پچھلی لائچ سے پھر فائز ہوئے اور حید نشتوں کے درمیان لیٹ گیا۔ وہ اُس نامعلوم

آدمی پر جھپٹ پڑنے کا خطرہ نہیں مولے سکتا تھا۔ اگر اتفاقاً تو پانی میں جا پڑا تو کیا ہو گا۔

دونوں لائچوں کے درمیان فاصلے میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا تھا۔

البتہ کبھی پچھلی لائچ کی ہیئت ایجیٹ کی روشنی اُس کی لائچ میں پل بھر کے لئے پھیل جاتی

## تفصیل



مختندا سا بادل جسم کو چھوٹا ہوا گذر رہا تھا۔ آنکھوں کے پیوں سے عجیب طرح کی گدگدی شروع ہوئی تھی اور پھر جسم کے ریشے ریشے میں سراہت کرتی چلی گئی تھی۔ گدگدی اور مختنڈک عجیب سا احساس تھی۔ محض مھمن جھن جھن کی طرح کے سازنچ رہے تھے اور براف سے سفید لڑکیاں سفید ہی لباس میں ملبوس رقص کر رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بھی خلکی ہی کا احساس ہوتا تھا۔ ایک ناچتی ہوئی اُس کے قریب بھی آئی اور اُس کی پیشانی پر اپنے گرم گرم ہوت رکھ دیئے..... پیشانی پر دباؤ ڈالتی رہی اور اُس کا سر پیچھے جھلک چلا گیا۔ حتیٰ کہ گردن ٹوٹنے لگی۔ تکلیف کا احساس اتنا شدید تھا کہ اُس نے لڑکی کو پرے جھک دیا اور خود انٹھ بیٹھا۔ کادر دبستور قائم تھا..... اور سارا جسم سرد تھا۔ کپڑے بھیگ کر چک گئے تھے اور وہ بوکھلا کر

کھڑا ہو گیا..... اکاد کا بحری پر ندوں کی تیزی کا ازاں ہے پھوکات اٹونا اور پھر پہلے عنی جیسی موجود تھا۔ اسے نکال کر دیکھا اور مطمئن ہو گیا۔ نوٹ بھیکے نہیں تھے اور رقم بھی معقول تھی خاصو شی طاری ہو جائی۔

اس نے دھات کا ایک سکھ اچھاں کر ہاں کیا اور جھکت کر اُسے دیکھا اور پھر اخلاک ایک طرف اُس نے پانی کی سمت دوزنا شروع کر دیا۔ شام کے صبح ہونے والی تھی اور اتنا جلا تو تو پہل پڑا حد نظر تک ویرانی عنی ویرانی تھی۔ سورج کی شعاعیں اپنا جاں بخنزے الگی تھیں پہاڑ پر جو دور تک بہنسان سا حل کا جائزہ لے سکتا۔ اس کی لامپ کا کبین پختہ تھا اب تک۔ اس کو پوہ چلا رہا۔ غالباً تین میل کے بعد پستی تھی۔ انہار افراطی تھے ایسا ہی نامی آئروں کی ایک لامپ کیا کہیں کوئی کشی سے دکھائی دی۔

چھوٹی سی پستی تابت ہوئی جہاں کھاشنے پہنچنے کی چیزیں بے آہنائی دستیاب ہو گئیں۔ ایک چھوٹی پیچے ریت تھی۔ سر پر کھلا آسمان۔ اور حد نظر تک سندھ رخائیں تارہ تھا۔

پوکھلائیہ ہوئے انداز میں چاروں طرف دوڑتا پھر الیکن کہیں ایک تنفس بھی نہ دکھائی دی۔ باسی روٹی کے تو سبک اسی وقت بہت اچھے لگ رہے تھے۔ سایلووہ سورج زرما تھا۔ کہیں وہ دور تک کسی پستی کا تشاں نہیں تھا کہاں لا پھیکا مر دوڑنے والیں پیچے سوچا۔ اندھیرے میں لوگ اُسے اپنی بھجو کر لوٹنے کی کوشش نہ کریں اس لئے ان اُسے پستی کا نام بھی پوچھتا اُسے جملہ کرنے کا موقع میں گیا تھا کاش وہ جھکاطا ہوتا۔ اسی کیکے بالائے پڑبیچے پہاڑ اُس کے مناسب نہ سمجھا۔ ان جہاڑا کئے ماٹی گیروں کا متعلق وہ پہلے ہی بہت بچھ سن پکھا۔ وہ انکثر قریب کیوں چلا گیا تھا۔ عقل کہاں چر نے گئی تھی۔ اسی حادثت تو کسی گدھ سے بھی نہ سرزد بھری قراؤں کا روپ۔ بھی دھماڑ لیا کرتے تھے جہاں اور کہ پورا یاد ادا کر کے ایسا ہوئی۔ مگر وہ تھا کون۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ بولتے وقت اپنی آواز بدلنے کی کوشش کر رہا۔ پہاڑے خانے میں پیٹھے ہوئے۔ اُن لوگ اُسے عجیب نظر وون میں دیکھ رہے تھے وہ اُنے زبان سے کچھ کہتا یا نہ کہتا۔ لیکن اُن لوگوں کی نظر میں اُپنی ابھی تھا۔ کیونکہ ان جہاڑا کا باشندہ ہے۔ اس کے باوجود بھی بولنے کا انداز کچھ جانا پہچانا ساختا۔

بہر گاں نہیں معلوم ہوتا تھا لیکن مجبہ رام نہ اے۔ اے ہو جائے، ایس نہ اے۔  
پھر اب کہاں بھکل پھرے گل پتہ نہیں کہاں لا پھینکا ہے۔ لانچ بھی ہاتھ سے کسی جس پر it talkabout Mrd ناشست کرنے کے اُس نے قیمت ادا کی اور باہر نکل آیا۔ فریدی نے ہزاروں روپے صرف کئے ہوں گے۔  
نے سوچا کہیں بے خبری میں ہملاز کر بیٹھے اسی لئے ذغفار کر کر مرا باب وہ بوڑھا اُدی تیز طرف پھرنا ہوا لگجا اندھرہ اپنے لئے کچھ زیادہ بو جمل معلوم ہونے لگا۔  
داؤ میں بیٹھا رہا تھا کہ پوری طرح اجلاں پھیل گیا اور فضا بھر کی پرندوں کے سورے۔  
”کیسا آرام...!“

اُبھی کے ہوائے باس اے اوختا ہمارے گلی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھ کر سن پڑے  
ڈانٹوں میں ریت کی رعنی تھی۔ کھلاستے پانی سے کلیان کرنی پڑیں پھر بڑی قدر تک بیٹھا  
مٹانے کا تارہ خود کو نو فیصدی اور مخصوص مکر رہا تھا۔ اس نے اپنے سارے چیزیں  
پھر سوچا اس طرح بینچے رکھنے سے کیا فائدہ... کوٹ کی اندر رونی بیٹھ مولی نرس

نہیں ملے گا لیکن آپ اپنی جیسیں خالی کئے بغیر سکون سے رہ سکتیں گے۔ گھر میں صرف ہے کہرے ہیں میں ہوں میری بیوی ہے ایک نوجوان لاکی ہے اور تم چھوٹے لڑکے۔ ایک کمرہ میں زین پر سونا پسند نہیں کرتی سمجھے۔ انہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ میری کوئی چیز کسی کو دے دیں سمجھے۔ میں اسے سخت ناپسند کرتی ہوں..... سمجھے۔

”بالکل سمجھ گیا۔“ حمید سخنداشی سافنس لے کر بولا۔ ”لیکن تم چاہتی کیا ہو۔“

”آپ کو اس چارپائی کا کراپیٹ مجھے ادا کرنا ہوگا..... سمجھے۔“

”سمجھ گیا..... کتنا کراپیٹ۔“

”باقیہ..... باتم..... پھر بھی..... اب تم مجھے اپنے گھر لے پہلو.....!“ حمید نے طویل سافنس لے کر کہا۔

واقعی وہ غریب لوگ تھے۔ پورے مکان میں صرف ایک چارپائی نظر آئی جو اس کے لئے کمرے میں بچھادی گئی۔ وہ لوگ شائد فرش ہی پر سوتے تھے ایک گم سی جوan لاکی نظر آئی جو قول صورت بھی تھی اور سوت مند بھی۔ بے حد شر میں معلوم ہوتی تھی۔ حمید دن بھر پڑا سوچتا رہا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ ان لوگوں پر یہ نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس سمتی کے نام سے بھی ناواقف ہے۔ بوڑے کو اس نے بتایا تھا کہ وہ اناج کا بیوپاری ہے اس کی دخانی کشی مالا دکر مغرب کی طرف جاری تھی وہ بہاں اتر گیا کچھ دن سکون سے گذانے کے لئے وہ کمرے میں پڑا رہا۔ شام ہو گئی۔ ذہن کی عجیب سی کیفیت تھی۔ بہاں نے خریدے سگریت دن بھر پھونکتا رہا تھا لیکن سیری نہیں ہوئی۔ رات کو کھانا کھا کر وہ پھر لیٹ گیا۔ لیکن ہوتے کہاں وہ اس کا کام پکڑ لیا۔

”کیا.....؟“ وہ بوکھلا کر بولی۔

”انھوں..... چارپائی سے نیچے اترو۔“ اس نے اس کے کان پر گرفت مضبوط کرتے کمرے سے باہر نکال کر دروازہ بند کر چکا تھا۔

”یہ کیا ہے..... کان چھوڑو.....!“ وہ جھبھلا کر بولی۔ لیکن اتنی دیر میں حمید اسے دس بجے تک پورے مکان پر سکوت طاری ہو گیا، غالباً وہ لوگ سو گئے تھے۔ دفتار کی نے دروازے پر ہو لے ہو لے دستک دی۔

حمدیہ چپ چاپ انھوں کے قریب آیا۔ دروازے سے جھاٹک کر دیکھا۔ لاٹیں کی دھنڈی روشنی میں لڑکی کا چھپہ نظر آیا۔

اس نے دروازہ کھول دیا اور وہ نہ صرف اندر آگئی بلکہ مز کر خود ہی دروازے کی کندھی بھی چڑھا دی۔ حمید اسے جرت سے دیکھتا رہا۔

اس نے اپنے اچھے خاصے ٹھیک چہرے پر ڈھیر سا پوڑ رھوپ رکھا تھا۔ ہونوں پر پھوہڑپن سے لپ اسٹک لگائی گئی تھی۔ آنکھوں میں کاجل.....

سونتوخ آئی لینڈ کے پولیس اسٹیشن کا انچارج فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا..... پچھلی رات ساصل پر کسی قسم کا ہنگامہ ہوا تھا۔“

”یہ میری چارپائی ہے۔“ اس نے چارپائی کی طرف انگلی اٹھا کر غصیلی آواز میں



اسکرین سے باہر کا نظارہ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔“  
”چھے..... عمارت کی بیر ونی ساخت ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔“  
”جتاب والا..... اس سے بھی مددور ہوں۔“  
”کیوں.....؟“

”پک اپ عمارت کے اندر ونی حصے میں رکتی تھی۔ میں اترتا تھا اور ڈرائیکٹ روم میں پہنچا گئی پریشانی کی بنت نہیں ہے۔ آپ کے ایک مریض کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔“  
”دیا جاتا تھا۔ آج تک عمارت کا بیر ونی حصہ بھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہیں سے وہ گاڑی مجھے میرے مریض کے متعلق.....!“ اُس نے حیرت سے کہا۔ ”میرے پاس شاہزادہ رعنی ہوئی وہیں لاتی تھی۔“  
”کوئی کیس آتا ہے۔ یہاں لوگ ذہنی امراض کے سچے علاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“ یہ سرجاوید کون ہے۔“

”میں اُس مریض کی بات کر رہا ہوں جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“  
”اوہ.... اچھا..... وہ سرجاوید کا لڑکا۔ اُس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کی خاصی بڑی جائیداد ہے۔ کاروبار ہے۔“

”آپ نے اُس کے اعزہ کے اعزہ کے متعلق بھی معلومات حاصل کی ہوں گی۔“  
”وہ اپنام کیا بتاتا ہے۔“  
”قسام.....!“

فریدی نے قاسم کا حلیہ دہرا دی، جس پر ڈل کٹر سرہلا کر بولا۔ ”بھی ہاں..... بالکل بالکل۔“ وہیں ایسٹ افریقہ میں۔“  
”میسرے لئے قطعی غیر ضروری تھا۔“  
”مستقل قیام کہاں رہتا ہے اُس کا۔“

”سر جاوید کہاں رہتا ہے؟“  
”بڑی نیزدی۔“

”آپ اپنا پورا معاوضہ وصول کر چکے ہیں۔“  
”می ہاں وہ روزانہ اداٹکی کر دیتے تھے۔“  
”کیا مریض کی یادداشت واپس آگئی تھی۔“

”نہیں..... لیڈی جاوید نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکے کی جسمانی صحت پر نہ اثر پڑنے کا اندریشہ ہے۔“

”سر جاوید کا حلیہ بتائیے۔“

”لباتر تھا صحت مند آدمی ہے، لیکن قد میں اپنے بیٹھنے سے کم ہے۔ اندازیادہ جسم بھی نہیں ہے..... اوہیزہ عمر کا ہے..... بیوی چھبیس سال کی ہو گی۔ دراصل سرجاوید کی

”اوہ! شاید میں آپ کو جانتا ہوں۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔  
”اُس سے اور زیادہ آسانیاں پیدا ہو سکیں گی۔“ فریدی مصافی کرتا ہوا منکریا۔  
”آپ انہی جنس کے کرٹل فریدی ہی ہیں ہا۔“  
”آپ کا خیال درست ہے۔“

”فرمائیے..... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“  
”کوئی پریشانی کی بنت نہیں ہے۔ آپ کے ایک مریض کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔“  
”دیا جاتا تھا۔ آج تک عمارت کا بیر ونی حصہ بھی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ وہیں سے وہ گاڑی مجھے میرے مریض کے متعلق.....!“ اُس نے حیرت سے کہا۔ ”میرے پاس شاہزادہ رعنی ہوئی وہیں لاتی تھی۔“  
”کوئی کیس آتا ہے۔ یہاں لوگ ذہنی امراض کے سچے علاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“ یہ سرجاوید کون ہے۔“  
”میں اُس مریض کی بات کر رہا ہوں جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“  
”اوہ.... اچھا..... وہ سرجاوید کا لڑکا۔ اُس کے بارے میں آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں بھی ان کی خاصی بڑی جائیداد ہے۔ کاروبار ہے۔“  
”ڈاکٹر نے تحریر انہیں پوچھا۔“

”وہ اپنام کیا بتاتا ہے۔“  
”قسم.....!“

”یقین کچھ اُس عمارت کا محل و قوع پیر پڑھنے کے لئے بھی نہ بتا سکیں گے۔“  
”بڑی بحیرہ بات ہے..... کیا آپ وہاں بھی نہیں گئے۔“  
”کل تک روزانہ جاتا رہا ہوں.....!“  
”کل تک کیوں.....؟“  
”کل انہوں نے مجھے سبک دوش کر دیا..... آج میں اپنے گھر واپس چلا جاؤں گا۔“  
”آپ وہاں جاتے بھی رہے ہیں اور عمارت کا محل و قوع بھی نہیں بتا سکتے۔“  
”بات مفہوم نہیں ہے! لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔ روزانہ ایک پک اپ مجھے لینے کے لئے یہاں آتی تھی۔ میں اندر بیٹھ جاتا تھا۔ کھڑکیوں کے ششے گہرے بزرگ کے ہیں لیکن ان کے پار دیکھا نہیں جاسکتا۔ ڈرائیور کی نشست پچھلے حصے سے دکھائی نہیں دیتی، اس لئے وہ

دوسری شادی ہے..... میرا خیال ہے یہی شادی وہ حادثہ ہے جس کی بناء پر لڑکے کی؛ فریدی کا ذمہ سے ہٹ کر ہال کی ایک میز کے قریب آجیھا اور ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا۔ زندگی.....!

”ہو سکتا ہے..... ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے اسے جملہ پورانہ کرنے دیا اور جلدی سے بڑا وہ اس میں دلچسپی لے رہا ہے۔

”سر جاوید کی کوئی ایسی پیچان بتائیے جس کی بناء پر اس کی شناخت میں آسانی ہو۔“

”بائیں ججزے پر گزرے گھاؤ کا تشاں ہے۔ گھر الی کوئی چوچالی انج ہو گی۔“

”شکریہ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”تکلیف کی معافی پاہتا ہوں۔“

”لیکن قصہ کیا ہے؟“

”اس لڑکے منور جاوید نے ایگل شیپ پر کوئی ہنگامہ برپا کیا تھا۔ اس سلسلے میں تخفیف

کر رہا ہوں۔“ فریدی کمرے سے باہر آگیا۔ پھر اسی ہوش سے اٹیشن کے انچارج کو فون کیا۔ دوسری صبح حید خود کو کافی تروتازہ محسوس کر رہا تھا۔ ناشتہ برآمدے میں ہوا۔ بڑی سی ”فرمایے..... کچھ سراغ طا۔۔۔!“ اس نے دوسری طرف سے پوچھا۔ چوکی پر وہ سب ساتھ بیٹھے تھے۔ بوڑھے نے تو اس کے لئے الگ انتظام کیا تھا لیکن حید نے کہا ”ابھی تک تو نہیں..... دیکھنے یہاں کی ایک عمارت کے متعلق معلومات فراہم کرنی ہیں۔ کہ وہ خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ ہی ناشتہ کرے گا۔ اس پر بوڑھے نے ہے صرف اس فریدی نے سمجھوں سے بائیں جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”کے حسن اخلاق کی تعریف کی تھی بلکہ اس کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔“

”فرمایے۔“

”اُن کے سب سے چھوٹے بچے کی عمر غالباً دس سال رہی ہو گی۔ وہ بار بار کہہ رہا تھا کہ ”سر فرازو لا کہاں ہے اُس کا مالک کون ہے۔“

”بہت بہتر..... تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔ کس نمبر پر رنگ کروں۔“

”میں خود ہی مل کر معلوم کرلوں گا۔“ فریدی نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا اب وہ کاموں بہت ذہین معلوم ہوتے ہو۔ کیا نام ہے تمہارا۔“

کلرک کو کال کے پیسے دے رہا تھا۔ لیکن اس آدمی سے بے بخیر نہیں تھا۔ جس کی موجودگی کی یہاں ”عنی میر.....!“ بچنے شرما کر جواب دیا۔ پر اس نے فون پر عمارت کے متعلق اُن معلومات کا تذکرہ نہیں کیا تھا جو حقیقتاً حاصل کرنا۔ پھر دفعتاً سے وہ تدبیر سوجہ ہی گئی جس سے وہ کم از کم اس جگہ کے متعلق تو کچھ نہ کچھ تھیں۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ وہ آدمی نگرانی کی حد تک اس میں ضرور دلچسپی لے رہا ہے۔ معلوم ہی کر سکتا۔

ڈاکٹر کے کمرے میں داخل ہوتے وقت بھی اس نے اسے دیکھا تھا اور جب کمرے سے باہر نکلا ”اچھا ستون کا نام بتاؤ۔“ اس نے کہا۔

”خاتب بھی وہ دکھائی دیا تھا اور اب کا ذمہ سے اس کے قریب ہی کھڑا اخبار دیکھ رہا تھا۔ لیکن اندرا“

”لڑکا گراموفون کے ریکارڈ کی طرح چل پڑا۔“ سختی چار ہیں، ٹیکل، جنوب، مشرق، ایسا ہی تھا جیسے کان گفتگو کی طرف لگے ہوں۔

”مغرب، سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔“

”شہابش..... شہابش..... بہت اچھے۔“ تمہارے مکالمے کا کیا نام ہے۔ یہ متوسط قد اور اچھی صحت کا مالک تھا۔ عمر پالیس اور پینٹالیس کے درمیان رہی ہو گی۔

”بشرط اور پتلون میں تھا۔“

## Seamed by iqbalmt

”خوب..... خوب..... اچھا تمہارے جریے کا نام کیا ہے؟“

”مرجان.....!“

”واہ..... بھلایہ نام کیوں پڑا..... گلدان کیوں نہیں کہتے ہیں اسے۔“

”ہمارے ماشر صاحب کہتے ہیں کہ یہ مرجان کی شکل کا ہے۔“

”بہت اچھے شباباں.....!“ حمید نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ ایگل بیچ سے صرف میل کے فاصلے پر تھا۔ سرکش قسم کے لوگوں کی آمد و رفت سے پہلے ہم سکون کی زندگی بزر کرتے تھے۔ شہر کے پارسا اور ذی عزت لوگوں نے اپنی رٹنیاں یہاں لاپسائی ہیں۔ یہ آئے جانے والے یہاں پانی کی طرح پرسہ بہاتے ہیں۔ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم کیا کریں۔“

حید کچھ نہ بولا۔ اس مسئلے پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پہنچنے کے اسکوں پڑے گئے۔ مسٹر اور مسز میزان نے اسے بتایا کہ اب وہ دوسری اپنے کاموں پر چلے جائیں گے اور لڑکی اس کے لئے دوپہر کا کھانا تیار کرے گی۔

کچھ دیر بعد وہ لڑکی کے ساتھ تھا رہ گیا۔ لڑکی کا موڑ خراب معلوم ہوتا تھا۔ انھیں سے اب تک اس کی آواز نہیں سنی تھی۔ آج تو منہ بھی پھولہ ہوا تھا۔

”یہاں سے پولیس اسٹیشن کتنی دور ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیوں.....؟“ وہ چوک پڑی۔

”یونہی..... کوئی خاص بات نہیں۔ پولیس اسٹیشن کے قریب میرا ایک دوست رہتا ہے۔“

”کیا..... یہاں پہلی بار آئے ہو۔“

”بالکل پہلی بار۔“

”تو اپنے اسی دوست کے گھر کیوں نہیں گئے۔“

”وہ تھا رہتا ہے..... کھانے پینے کی تکلیف ہوتی۔“

”تو تم یہاں قیام کرو گے۔“

”بالکل..... بالکل..... اور تمہاری چارپائی کا کرایہ بھی ادا کر تارہوں گا۔“

”لے لو..... اپنے روپے.....“ وہ جھلا کر بولی۔

لیک بیک انچارج کی پیشانی پر سلوٹیں باہر آئیں اور اس نے کسی قدر بدلتے ہوئے بچھے کیا ہے؟“

میں کہا۔ ”میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ کیپن حید ہی ہیں۔“

”دیری گذ..... ضرور ترقی کرو گے۔ یہ لویہ رہا میرا آئندہ نئی کارڈ۔“ حمید نے کہا اور

”ہم غریب ہیں..... یہاں گرانی بہت بڑھ گئی ہے۔ تم لوگوں کی آمد و رفت سے پہلے ہم سکون کی زندگی بزر کرتے تھے۔ شہر کے پارسا اور ذی عزت لوگوں نے اپنی رٹنیاں یہاں لاپسائی ہیں۔ یہ آئے جانے والے یہاں پانی کی طرح پرسہ بہاتے ہیں۔ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم کیا کریں۔“

”ارے جناب..... سارے جریے میں یہاں برباد ہے۔ اب میں سیونتھ آئی لینڈ اطلاع بھجوئے دیتا ہوں کہ آپ بھی مل گئے ہیں۔“ اس نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”میں بھی مل گیا مطلب..... کیا لانچ بھی مل گئی ہے۔“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔“ انچارج نے حرمت سے کہا۔ ”اب آپ ہی بتائیے کہ وہ لاش کس کی ہے؟“

”کیسی لاش.....؟“

”لانچ میں ایک لاش پائی گئی ہے۔ وہ غوطہ خوری کے لباس میں تھا۔“

حمد نے سیٹی بھانے کے سے انداز میں ہونڈ، سکوڑے اور بولا۔ ”مجھے لے چلے لانچ کہاں ہے؟“

میں کہا۔ ”میں کیسے یقین کر لوں کہ آپ کیپن حید ہی ہیں۔“

”دیری گذ..... ضرور ترقی کرو گے۔ یہ لویہ رہا میرا آئندہ نئی کارڈ۔“ حمید نے کہا اور

ہوا لائچ کے مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا۔ لائچ پر اب صرف وہی دنوں رہ گئے تھے۔ انچارج اور چند کا تشیل کچھ دور کنارے پر کھڑے تھے۔

”سنو.....“ دفتارہ حید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”وہ اس لائچ میں نہیں ہے۔“

”کیا مطلب.....!“

”لباس میں سوراخ اُس کے مرنے کے بعد بنائے گئے ہیں.....!“ وہ لاش کے قریب

اُسکر بولا۔ لباس کے تیسے ذھیلے کے چند لمحے لاش کے باہمیں پہلو پر نظر جانے رہا پھر حید سے بولا۔ ”اوھر آؤ..... یہ دیکھو..... ٹھیک دل پر گولی بگی ہے لیکن اس جگہ غوط خوری کے بولا۔“ جلدی میں وہ اس زخم کی طرف دھیان نہ دے سکے اور لاش کو غوط خوری کا لباس پہنا کر متعدد فائر کئے گئے۔

”لیکن ان سوراخوں کو بھی دیکھنے ان سے خون ابلا ہے..... جسم خندنا ہو جانے کے بعد یہ چیز ناممکن ہے۔“

”دو سوراخوں کو کسی دوسری طرح خون آکو دکر دینا ممکن تو نہیں ہے۔ پہلے زخم سے جو خون بہا ہو گا وہ انہیں خون آکو دکرنے کے لئے کافی ہوا ہو گا۔ اچھا اگر گولی بھیں لائچ پر ماری وقت اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کسی قسم کے نشانات ضائع نہ ہونے پائیں اور مذکور نہیں تھے اس بات کا مقصود تھا کہ وہ جلد پہنچ رہے ہیں۔“

”جید بھی سوچ میں پڑ گیا۔ بالآخر بولا۔“ چلنے سبھی درست ہو گا لیکن آخر اس ڈرائے کا مقصد۔

”میرا خیال ہے کہ وہ آدمی جو لائچ لے ادا تھا اب بھی محفوظ ہے اور یہ کوئی اور ہے جسے زبردستی اس کہانی کا ایک کردار بنا لیا گیا ہے۔“

”آخر کیوں؟ وہ لائچ کو کہیں چھوڑ کر فرار ہو سکتا تھا..... اس ڈرائے کی ضرورت ہی کیا تھی۔“

”غائب..... تم نے اُس پر یہ بات ظاہر کر دی تھی کہ تمہیں اس کی آواز کچھ جانی پہچانی کی معلوم ہوتی ہے۔“

”جید ذہن پر زور دینے والا اور اسے یاد آیا کہ شاید اُس نے یہ بات کی تھی۔ یقیناً کسی تھی اسے یاد آیا۔ جواب میں اُس نے کہا تھا کہ وہ کوئی غیر قانونی کام نہیں کر رہا۔ بلکہ مجرموں کی

پرس سے اپنا آئندہ نئی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

انچارج اُس کی تصویر کو اور اسے غور سے دیکھا رہا پھر مکرا کر بولا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں..... کپتان صاحب۔“

”لیکن یہ لائچ ملی کب ہے؟“

”آج ہی نہ۔“

”حالانکہ اسے کل صبح ملنا پا ہے تھا۔ کیا لاش سے بدبور آرئی تھی۔“

”بھی نہیں..... ذا کرٹ کا خیال ہے کہ لاش ملنے سے صرف تین گھنٹے پہلے وہ مر آ ہو گا۔“

”ہوں....!“ حید کسی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا۔ ”کیا بھاں پر نس ہتری کا تمباکو مل سکے گا۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ انچارج نے کہا اور میز پر رکھی ہوئی لھنٹی بجائی۔ اروہی اندر آیا اور وہ اُسے تمباکو کے متعلق ہدایات دے کر حید کی طرف دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آپ کرٹل صاحب کا انتظار کریں گے یا اُس سے پہلے یہ لائچ دیکھیں گے..... وارٹیس پر اُن کا پیغام ملا ہے کہ وہ جلد پہنچ رہے ہیں۔“

”میں انتظار کروں گا.....“ حید نے کہا پھر چونک کر بولا۔ ”لائچ میں داخل ہوتے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا تھا کسی قسم کے نشانات ضائع نہ ہونے پائیں اور مذکور نہیں تھے اس بات کا مقصود تھا کہ وہ جلد پہنچ رہے ہیں۔“

”میں نے اسکی ہر امکانی تدبیر کی تھی کہ ایسا نہ ہو نہ پائے۔“

پھر آدھے گھنٹے کے بعد فریدی بھی آپنچا تھا۔ حید سے اُس کی روادشنے کے بعد وہ اُس ساحل پر آئے تھے، جہاں لائچ پائی گئی تھی۔ لاش اب بھی لائچ میں موجود تھی۔

مرنے والے کے چہرے پر اس وقت غوط خوری کی نقاپ نہیں تھی، لیکن لباس بدستور جسم پر موجود تھا۔ اس لباس میں کئی سوراخ تھے جن سے خون ابلا تھا اور اس پاس جم گیا تھا۔ حید

نے بغور اس کا چہرہ دیکھا لیکن شامائی کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہ آئی۔ ویسے وہ راستے پھر سوچتا آیا تھا کہ اب وہ اُسے پہچان سکے گا۔ کیونکہ اُس کی آواز کچھ جانی پہچانی کی محسوس ہوئی تھی۔

”سوال تو یہ ہے کہ یہ پرسوں رات کا سارا دن اور ساری رات لائچ کو کہاں لے پھرا ہو گا اور پھر مرنے کے لئے بھی وہی جزیرہ منتخب کیا جہاں تمہیں پہنچ کیا تھا۔“ فریدی بڑھا تا

ایک بہت بڑی نوی خود اس کے پیچھے ہے۔

”میں ہاں.....!“ حمید بولا۔ ”میں نے یہ بات اس پر ظاہر کر دی تھی۔“

”لہذا تو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں اس کے بھی امکانات ہیں۔“ فریدی بولا

”ڈاکٹر آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے.....!“ حمید بڑی لامبا پھر چک کر بولا۔ ”قاسم کا کیا رہا..... آپ ڈاکٹر شاپور سے ملے تھے۔“

”ملتا ہاں..... لیکن بے سود۔“ فریدی نے کہا اور لائچ سے اترتا ہوا بولا۔ ”آؤ.....!“

اس نے انچارج کو لاٹ اور لائچ کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور آگے بڑھ گیا۔ حمید اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ فریدی نے اپنی اور ڈاکٹر شاپور کی ملاقات کا ذکر چھیڑ دیا۔

وہ پہلی ہی ایک جانب چلے جا رہے تھے۔ دھنٹا حمید بولا۔ ”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”کہیں بیٹھیں گے۔“

وہ اب جیرے کے سب سے خوشما حصے میں داخل ہو رہے تھے۔ چاروں طرف چھوٹی بڑی خوبصورت عمارتیں بکھری ہوئی تھیں۔

وہ ایک اچھے سے کیفے میں جا بیٹھے۔ حمید نے پوچھا۔ ”پھر کیا ہوا۔“

”میں نے اس آدمی پر نظر رکھی۔“ فریدی نے سگار کا گوشہ توڑتا ہوا بولا۔ ”خانے سے تم سادہ لباس والوں کو منتخب کیا، جو ہر حال میں اس کی گمراہی کر سکیں۔ اس کے بعد میں نے

میو پل آفس سے جیرے کی ساری عمارتوں کے نقشے ملکوائے اور اسی عمارتیں تلاش کرنے لگا جس کے اندر ورنی حصوں تک پک اپ جسی بڑی گاڑیاں جا سکیں، تم عمارتیں مل بھی گیں۔“

وہ خاموش ہو کر سگار سلاگانے لگا اور حمید مضطرباتہ انداز میں بولا۔ ”پھر کیا ہوا؟“

”اس میں کہیں بھی سر جا بید کے حلے کا کوئی آدمی نہ مل سکا۔“

”بہر حال انہیں میں نے کسی عمارت میں قاسم رکھا گیا تھا۔“

”یقین کے ساتھ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ڈاکٹر شاپور نے غلط بیانی سے کام نہ لیا ہو۔“

”میا آپ نے اپنی معلومات کے سلسلے میں اس کی لڑکی دیرا کا بھی حوالہ دیا تھا۔“

”نہیں.....!“ فریدی نے کہا اور سگار دانتوں میں دبا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

اس نے کہیں کافی کشادہ تھا اور آسائش کی ہر چیز ہمیا تھی۔ قاسم بھی مگن تھا بھلا اسے کیا پروادہ ہو سکتی تھی کہ اب کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ دیسے جب بھی یہ خیال الجھن کا باعث بنے لگاں گردن جھک کر کہتا۔ ”اوہ نہ ٹھیک ہے۔“ کیا میں کوئی ذرا سی چیز ہوں کہ سالے پڑیاں میں پاندھ کر غائب کر دیں گے، جہاں بھی لے جائیں گے جب چاہوں گا وابس چلا آؤں گا..... مگر یہ کوئی بھی تو پھر نہ ملیں گی۔“

اور لیڈی جا وید کا یہ عالم تھا کہ اُس کے گرد پھرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ دونوں کہیں میں تھا تھے۔

”تم نے یہ نہ پوچھا کہ اب کہاں جا رہے ہیں۔“ لیڈی جا وید نے کہا۔ ”کیا جرورت ہے۔“

”تمہاری اسی سعادت مندی کی بناء پر تمہارے پیام بام سے بہت خوش ہیں۔ ورنہ یاد داشت کو بیٹھے تھے شور شر با مچاتے۔“

”بھلا میں قیوں چاٹا۔..... جب کہ آپ یعنی کہ آپ.....!“

”ہاں..... ہاں کہو..... خاموش کیوں کہو گے۔“

”جب کہ..... آپ..... ہی ہی..... اتنی آچھی ہیں۔“ وہ شرما کر اپنی انگلی مردہ تا ہوا بولا۔

لیڈی جا وید پرستی انداز میں مکرائی وور اس سے بولی۔ ”مودھ دیکھو..... میری طرف دیکھو۔“

قاسم نے سر اٹھا کر دیکھا اور دوسری طرف منہ پھیر کر اپنی ”ہی ہی ہی ہی“ میں بریک لگانے کی کوشش کرنے لگا۔

”جب تم اچھے تھے تو تمہیں لڑکیوں سے دوستی کرنے کا بے حد شوق تھا“ لیڈی جا وید بولی۔

”اب بھی ہے..... اب بھی ہے۔“ قاسم جلدی سے بول پڑا۔

”اب ہم جہاں چل رہے ہیں بہت سی لڑکیوں سے دوستی ہو سکے گی۔“

”مگر..... مغرب.....!“

”مگر کیا.....؟“

”آپ ہی جیسی ہوں گی تا..... عی عی عی“

”میں نہیں سمجھی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”مم..... مطلب یہ کہ..... خوب لمبی ترائی..... آپ ہی جیسی۔“

”اوہ....!“ وہ پڑی پھر سجیدہ ہو کر بولی۔ ”یہ تو مشکل ہے مجھ جیسی تو نہیں مل سکے گی۔“

”پھر کیا پھانڈہ.....!“ قاسم مردہ سی آواز میں بولا۔

لیڈی جاوید کو پھر ہنی آئی دیر تک بخت رعنی اور قاسم بھی کھیلانے انداز میں اُس کا ساتھ دیتا رہا۔ دفعٹا کسی نے کینبن کے دروازے پر دستک دی دونوں خاموش ہو گئے اور لیڈی جاوید نے کاپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”کون ہے..... آجاو۔“

سر جاوید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ قاسم نے ایسا مردمہ بنایا جیسے کمھی نگل گیا ہو۔

”منور بیٹے..... مجی تو نہیں ماش کر زہا..... اوہ ضرور یہی بات ہے۔ تم منہ بنارہے ہو۔“

”مجی نہیں..... یہ تو ایسے ہی بن غیا ہے۔“

”یہ..... لیمو..... چوستے رہو۔“ اُس نے دو تین لیمو جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھادیئے۔

”کیا میں توئی لوٹیا ہوں؟“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

”منور..... منور.....!“ لیڈی جاوید اُس کا شانہ تھکنے لگی۔

”مجی اچھا لائیے.....!“ قاسم یک بیک بھلگی ملی بن گیا۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے لیمو لئے اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔



لائچی میں پائی جانے والی لاش کی شاخت نہیں ہو سکی تھی اور وہ سیونٹھ آئی لینڈ، اپس آگئے تھے۔ اس دوران میں فریدی کے طلب کئے ہوئے اُس کے اپنے ملکے کے کچھ لوگ بھی

سیونٹھ آئی لینڈ پہنچ کچے تھے۔ آن میں سار جنٹر میش بھی تھا جس نے مقامی پولیس کے سادہ بس والوں سے فریدی کے بتائے ہوئے کا دل کا چارج لے لیا تھا۔

فریدی کی واپسی پر اُس نے اپنی رپورٹ پیش کی۔ وہ اُس آدمی کی گمراہی کرتا رہا تھا۔ اُس آدمی نے دو تار مقامی تار گھر سے دیئے تھے جن کی نقول اُس نے حاصل کر لی تھیں۔

پہلے تار کا مضمون تھا۔ ”لائچی ابھی تک نہیں مل سکی..... موبی۔“

دوسرے تار کا مضمون تھا۔ ”لائچی..... مرتبان..... وہ چلا گیا..... موبی۔“

دونوں تار ایک ہی پتہ پر ایک ہی مقام کے لئے روشنہ کئے گئے تھے۔ پتہ تھا۔ ”ہنی موں..... نوی چار آئی لینڈ۔“

”ہنی موں.....!“ حمید نے دانت پر دانت جما کر سکاری لی۔

”اُس آدمی موبی..... یا جو کچھ بھی اُس کا نام ہو..... اُس پر ہر وقت نظر رکھو۔“ فریدی نے رمیش سے کہا۔

رمیش کے چلے جانے کے بعد حمید بولا۔ ”آپ کا کیا خیال ہے۔“

”پہلے تار کا یہی مطلب ہے کہ وہ خود یا جسے اُس نے اطلاع دی ہے لائچی کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے لیکن ہم میں ضرور دلچسپی لے رہے تھے دوسرے تار سے ظاہر ہے کہ اُسے لائچی کے مرتبان میں پائے جانے کی اطلاع ملی اور اُس نے کسی دوسرے کو اُس سے مطلع کرنا ضروری سمجھا۔“

”لیکن چلا کون گیا؟“

”ہو سکتا ہے اشارہ میری طرف ہو۔ میں لائچی کی بازیابی کی اطلاع ملتے ہی بہاں سے مرتبان کے لئے روشنہ ہو گیا تھا۔“

”بہر حال ان تاروں کی وجہ سے اس سلسلے کی دوسری کڑی مل گئی ہے۔“ حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔

”ہنی موں..... نوی چار.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بڑا ہوا۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”بکھری نوی چار گئے ہو۔“

”اب آپ کوئی لکھ تدبیر کیجئے کہ ویراشاپور بھی نومی چار پہنچ جائے۔“

”آخری ہدایت۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر سمجھ دی گئی سے بولا۔ ”ہاں قدم قدم پر ویرا میں اُتھیں۔ اگر ہوش میں نہ رہے تو جنم رسید ہو جاؤ گے۔“

”ارے جناب تو پھر آپ خود ہی کیوں نہیں شریف لے جاتے۔“ حمید نے کہا پھر کسی خیال کے تحت چونک پڑا اور بولا۔ ”آخر یہ قاسم اس شدت سے کیوں آکو ہو گیا ہے۔“

”شگرد ہے تمہارا..... اور کیا کہوں! ذاکر شاپور نے کسی لیڈی جاوید کا تذکرہ کیا تھا۔ جو اسی کی طرح لمبی ترکی ہے اور خوبصورت بھی ہے۔ عمر بھی پچیس چھپیں سال ہے۔“  
”اوہ..... یہ بات ہے..... تب تو وہ کچھ اپنی یاد داشت کھو بیٹھا ہو گا۔“

”بس اب انٹو تیاری کرو۔“

”امتحنا ہوں..... مگر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں؟“

”کیا میں غیب داں ہوں؟“ فریدی مجھ بھلا گیا۔

وہ دونوں سی سائیڈ ہیوں میں مقیم تھے۔ لیکن ذاکر شاپور یہاں سے جاچکا تھا۔

## ختم شد

”اگر آپ گئے ہوں گے تو میں بھی ضرور گیا ہوں..... عالم یہ ہے کہ قبر میں فرشتوں نے بھی اٹھایا تو زبان سے پہلے یہی نکلے گا میاں ذرا کر نل کو بھی اٹھادیا..... وہ بھی اسی قبر میں استراحت فرمائے ہیں۔“

”اب ہو آؤ..... میں تو کئی بار جاچکا ہوں۔“

”میں اس زمانے میں کہاں پایا جاتا تھا۔“

”غائب امریقہ بعد کے کسی مخاز پر رہے ہو گے..... بہر حال تمہیں وہ جگہ بے حد پسند آئے گی۔ ان جائز میں سب سے بڑا ہے۔“

”بھجھے وہاں کیا کرنا ہو گا؟“

”سب سے پہلے تو یہ کرنا ہو گا کہ پیچانے نہ جاسکو۔ پھر ہنسی مون کے متعلق پڑھ لگتا کر کس کا پتہ ہے۔ اس کے بعد اس آدمی کو نظر میں رکھنا مجھے مطلع کرنا پھر میں وہیں پہنچ کر بتاؤں گا کہ کیا کرتا ہے۔ یہ لوگ پوری طرح ہوشیار ہیں۔ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھنے کی کوشش کرنے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے میک اپ میں رہ کر تقیش کرنی پڑے گی۔“

”میرا تو یہی خیال ہے۔“

”میک اپ کھلتا ہے مجھے۔“

فریدی اس کی بات پر دھیان نہ دیتا ہوا بولا۔ ”بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ پاپ بھی نہ پینا ورنہ اپنی اسٹائل زدگی کی بناء پر مارے جاؤ گے۔“

”یہ تو بالکل عیناً ممکن ہے۔“

”سگریٹ پیپر رکھنا۔ تمباکو روپ کر کے پینا۔ پنس ہنری کا ذرہ بھی تمہارے ہاتھ میں نہ ہونا چاہئے تمباکو پاڈھ میں رکھنا۔“

”اور روز صبح اٹھ کر دن بالا دار سرمه لگانا۔“ حمید جل کر بولا۔ ”چست جپر اور چوڑی دار پا جاسہ پہننا..... اور یوس چلانا۔“

وہ اٹھا اور لچک لچک کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگا۔

”غصے میں ہمیشہ بجاڑ معلوم ہونے لگتے ہو۔“ فریدی مسکرایا۔